اکیسویں صدی میں

جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر

سورۃ العصر کی روشنی میں

مولانا عاصِم عمر

اکیسویں صدی میں

'جمہوری نظام'

تباہی کے دہانے پر

(سورۂ عصر کی روشنی میں)

مولانا عاصم عمر

ادارۂ حطین

نامِ کتاب: اکیسویں صدی میں جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر
(سورۂ عصر کی روشنی میں)

مؤلف: مولانا عاصم عمر دامت برکاتھم

تاریخِ اشاعت: رجب ۱۴۳۸ھ

تعدادِ صفحات: ۱۴۰

ناشر: ادارۂ حطین

قیمت:

انتساب

فخر اسلام، مجددِ اسلامی نظام، امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے نام...... جنھوں نے امتِ مسلمہ کو دینی حمیت و غیرت کے معنیٰ اس وقت سکھائے جبکہ اس کے معنیٰ صرف کتابوں تک محدود کر دیے گئے تھے...... جنھوں نے اسلامی نظام کو نافذ کر کے اس کو مسجد و مدرسے کی چار دیواری سے باہر کا راستہ دکھایا...... جنھوں نے ایک مسلمان کی عزت کی خاطر اپنی ساری قوم کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا...... اور بالآخر جنھوں نے فرعونِ وقت امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔

محسنِ انسانیت، مجددِ جہاد، شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کے نام...... جنھوں نے پچاس سے زائد ٹکڑوں میں بٹی امت کو ایک امت بنانے کے لیے اپنا خونِ جگر جلایا اور اس غم میں اپنا تن من دھن، یہاں تک کہ آل و اولاد تک وار دی...... جنھوں نے امت کے چند جوانوں کو اکٹھا کر کے فرعونِ وقت امریکہ کا غرور اور اس کی عظمت کے مینارے زمیں بوس کیے اور خفیہ ڈوریں ہلانے والوں کی خفیہ کمین گاہوں کو ان کی قبر بنا دیا...... اور دنیا کو یہ پیغام دیا کہ تمام کفری قوتیں مل کر بھی اس امت کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

امیر نا شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کے نام...... جس کی ہدی خوانی نے کاروانِ ہجرت و جہاد کو اس وقت لٹنے، بھٹکنے اور گم ہو جانے سے بچالیا جبکہ منزل سامنے نظر آرہی تھی...... اور کمین گاہ انتہائی خطرناک تھی...... محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب اس ہدی میں برکت ڈالے...... جو ابھی بھی ساربانوں کو جادۂ منزل پر چلنے کی تلقین ہی نہیں کر رہا بلکہ قافلوں کو اچک لیے جانے کے خطرات اور کمین گاہوں سے بھی باخبر کر رہا ہے...... جس کی آواز عالمی قافلہ جہاد کے لیے مشعلِ راہ بنی ہوئی ہے...... جس نے اس قافلۂ جہاد کے لیے اپنی شریکِ حیات، اپنے بچے، بچیوں کے سہاگ...... اس راہ نوردی میں قربان کر دیے۔

ان اسیرانِ اسلام کے نام...... جنھوں نے سلاخوں کے پیچھے بھی اپنی سوچ و افکار کو کفر کے جبری نظام

جمہوریت کا اسیر نہیں بننے دیا جبکہ بہت سے جیلوں سے باہر بھی کفری نظام کے اسیر بنے رہے۔

شہداء کے نام...... جنھوں نے کفری جمہوری نظام کے مقابلے اپنے لہو سے اسلامی نظام کی راہ ہموار کی...... اللہ انھیں امت کی جانب سے بہترین بدلہ دے کہ اب اس شاہراہ پر قافلے ہی قافلے نظر آ رہے ہیں۔

علمائے حق اور داعیانِ شریعت کے نام...... جنھوں نے اپنی زبان، قلم حتیٰ کہ جان بھی محمد ﷺ کی لائی شریعت کو نافذ کرنے کے لیے وقف کر دی۔

اور ان دیوانوں کے نام...... جو اپنے پیارے نبی ﷺ کی ناموس اور ان کی لائی شریعت کا دفاع کر رہے ہیں...... پُر عزم، پُر امید...... فتح کے آثار سامنے دیکھ لینے کے باوجود بھی فتح و شکست سے بے نیاز...... شریعت یا شہادت کا سفر جاری رکھے...... محمد ﷺ اور ان کی شریعت کے دشمنوں پر قہرِ الٰہی بن کر برس رہے ہیں۔ جن کے عزم و حوصلے نے عالمی کفری قوتوں کو شکست سے دوچار کیا ہے...... اور ان کے پہاڑ جیسے بلند افکار و نظریات کے سامنے مغربی فلسفہ حیات شکست کھا رہا ہے۔

پیارے والدین کے نام...... جنھوں نے میری پرورش اور تعلیم و تربیت میں اپنا آپ کھپا دیا، اللہ کی جنت میں ملاقات کے یقین پر...... میری راہِ ہجرت و جہاد کی جدائی کے غم کو اللہ کی رضا کے لیے برداشت کیا۔

شہداء کی ان تمام ماؤں کے نام...... جنھوں نے اپنے حال کو امت کے مستقبل پر قربان کر دیا...... جو روزِ محشر اپنے جگر پاروں سے ملاقات کا یقین رکھتی ہیں جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا...... تب یہ شہداء اپنے والدین کو لے کر جنت میں داخل ہوں گے۔

فہرست

تمہید 7

وَالْعَصْرِ 10

إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ 12

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا 14

ایمان کیا ہے؟ 14

مسلمان سے ایمان کے تقاضے 15

اللہ کی تعریف 22

عبادت کس کی؟ 24

'عبادت' کے 'معنیٰ'؛ مفسرین کے اقوال میں 25

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ 25

امام ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ 26

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ 26

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ 26

امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ 27
امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ 27
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ 28
مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ 28
مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ 28
فکر کا مقام 30
کلمہ توحید کا تقاضا؛ تمام نظاموں (ادیان) سے برأت 32
صرف دینِ اسلام... مشترکہ دین قبول نہیں 35
صلح کی پہلی پیش کش 36
لمحہ فکریہ 38
دوسری پیش کش 39
ابو جہل کی سیکولر پیش کش 40
خلاصہ اِلا الذین آمنوا 50
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ 51
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ 53
علمائے حق اور 'وتواصوا بالحق' 59
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ 61

امت کی حالت درست کرنے کے لیے ایک لطیف نکتہ 66

ایک اشکال 67

قیادت آزمائش کی بھٹی میں 71

یہ امتحان کیا ہے؟ 76

کامیاب گروہ: حزب الرحمٰن 81

کامیابی کے درجات 81

انسانوں کا بنایاجمہوری نظام...... خسارہ ہی خسارہ 85

سیکولرازم اور جمہوریت..... ایک خطرناک کفر 90

جمہوریت میں عام ہوجانے والے منکرات 93

۱۔اللہ کی آیات و قوانین کو (پارلیمنٹ) کا محتاج بنانا 93

۲۔اللہ کے ساتھ کفر: تشریع (شریعت بنانے) کا حق پارلیمنٹ کو دینا 96

تنبیہ: کیا پاکستان کی ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے؟ 97

جمہوریت اور اکابر علماء کے بارے میں وضاحت 101

۳۔اللہ کی غیر قانونی وحرام قرار دی ہوئی چیزوں کو قانونی و حلال بنالینا، اور اللہ کے لازم کردہ فرائض کو حرام و غیر قانونی قرار دینا 102

۴۔امر بالمنکر و نہی عن المعروف 103

۵۔سودی نظام کا غلبہ 105

۶۔جبریہ ٹیکس 107

۷۔فحاشی 109

خلاصہ 111

خالق کی زمین پر خالق کا قانون نہ ہونے کی سزا... اللہ کی نعمتوں سے محرومی... ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ 113

اللہ کی نعمتوں سے محرومی کے مختلف انداز 122

انسانیت کی تباہی کا ذمہ دار کون؟ 124

انسانیت کی نجات کا راستہ: خالق کی مخلوق میں اسی خالق کے قانون کا نفاذ 126

انسانیت کو اس خسارے سے نکالنے کی ذمہ داری کس کی ہے؟ 127

تمہید

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ أجمعین، أمابعد

سورۂ عصر...... قرآنِ کریم کی یہ چھوٹی سی سورت انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کے لیے کافی ہے، اگر کسی کے پاس کان ہوں جو سنتے ہوں، دل ہو جو سمجھتا ہو اور عقل ہو جو نفع ونقصان کی تمیز کر سکتی ہو اور آنکھیں ہوں جن کی بینائی پر خواہشات کے پردے نہ پڑ گئے ہوں۔

یہ سورت...... انسان کو فرداً فرداً بھی غفلت سے بیدار کر رہی ہے اور بطورِ معاشرہ بھی اسے وہ راز سکھا رہی ہے جسے اختیار کر کے کوئی بھی معاشرہ مضبوط اخلاقی بنیادوں اور اعلیٰ اقدار کا حامل بن جاتا ہے۔

یہ سورت...... انسان کو اصلاحِ معاشرہ کا وہ گر سکھا رہی ہے جسے اختیار کر کے پسماندہ ودرماندہ اقوام عظمت وسربلندی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہیں، اور جنھیں چھوڑ کر اوجِ ثریا پر بیٹھی اقوام بھی پستی وزوال سے نہیں بچ سکتیں۔

یہ سورت...... کمزوروں کو حق گوئی کی قوت عطا کرتی ہے، اور اس حق پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے پر ابھار رہی ہے۔

یہ سورت...... مسلمانوں کے اندر ایمان ویقین کی شمعیں جلاتی ہے، انھیں علم کے نور سے منور کر کے ہمہ وقت عمل کے لیے متحرک کرتی ہے، کمزور وناتواں مسلمانوں میں جذبۂ عمل پیدا کرتی ہے۔

یہ سورت...... کمزوروں کو جہدِ مسلسل اور کچھ کر گذر جانے پر ابھار رہی ہے کہ تم ہی ہو جو ذلت کی پستیوں میں پڑی انسانیت کو عزت وعظمت کی راہ پر ڈال سکتے ہو...... تباہی وبربادی کے دہانے پر کھڑی دنیا کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتے ہو...... یہ تم ہی ہو جو انسان کو شیطان کی سجائی شکار گاہ سے بچا کر رحمٰن کی جنتوں کی طرف لے جا سکتے ہو۔

یہ سورت...... امتِ مسلمہ کو وتواصوا بالحق (ایک دوسرے کو حق کی تلقین) وتواصوا بالصبر

(ایک دوسرے کو ثابت قدمی کی تلقین) کی یاد دہانی کرا کے مستقبل میں انسانیت کی قیادت اور انسانی معاشرے کو اپنے رنگ میں رنگنے کا راز بتا رہی ہے۔

اس کے ایک ایک لفظ کو دل کی آنکھوں سے پڑھیے...... اس میں کیسا یقین و اعتماد بھرا ہے کہ کمزوری و ضعف کے باوجود یہ اپنے مقابل تمام تہذیبوں اور ثقافتوں کو چیلنج کر رہی ہے کہ بظاہر کامیاب و کامران نظر آنے والی تہذیبیں سب خسارے اور فکری بانجھ پن کا شکار ہیں...... جبکہ یہ دعوت...... اسلامی نظام کی دعوت...... جسے یہ امت لے کر اٹھی ہے، جسے محمد ﷺ کے متوالے لے کر اٹھے ہیں، واحد کامیابی کی ضمانت ہے...... اس کے علاوہ کامیابی و نجات کا کوئی راستہ نہیں...... کوئی معاشرہ، کوئی قوم اور کوئی بھی تہذیب اس سے ہٹ کر کامیاب نہیں ہو سکتی...... اس کے مقدر میں خسارہ ہی خسارہ ہے...... اس کا ہر پل، ہر لمحہ، ہر گھڑی خسارے کا شکار ہے، اس کی زندگی کساد بازاری کا شکار ہونے والی ہے۔

چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ عصر کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ سلف میں سے کسی کا فرمان ہے کہ اس سورت کے معنیٰ میں نے برف بیچنے والے سے سیکھے، جو برف بیچتے ہوئے آوازیں لگا رہا تھا:

'ارحموا من یذوب رأس ماله۔ ارحموا من یذوب رأس ماله'۔

'اس شخص پر ترس کھاؤ جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے۔ اس شخص پر ترس کھاؤ جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے'۔

میں سمجھ گیا کہ اس سورت میں خسارے کے معنیٰ یہی ہیں۔

گویا دنیا ایک بازار ہے اور اس میں بسنے والے تاجر...... اور زندگی کی سانسیں ان کا سرمایہ...... اب کس کا سرمایہ نفع بخش رہا اور کون خسارے کا شکار ہوا...... کس کی زندگی کامیاب رہی اور کس کی زندگی کساد بازاری کا شکار ہو گئی...... یہ بہت معلوم ہونے والا ہے۔

آیئے...... اس سورت سے اپنے ایمان کو مضبوط کریں تاکہ فتنوں کی اس بارش میں ایمان و اعمالِ صالحہ کی چھتری نصیب ہو سکے۔

آیئے...... اس سورت سے اپنے ایمان کو تازہ کریں تاکہ ہم عالمی کفری یلغار کے سامنے جم کر کھڑے رہ سکیں۔

آیئے...... ان تین آیتوں میں ڈوب کر اس احساسِ کمتری سے نکل آئیں جس میں دجالی میڈیا نے آج کے نوجوان کو ڈبو دیا ہے۔

آیئے...... عالمی کفری قوتوں کے خوف سے تھر تھر کانپتے جسموں کو اس گرما دینے والی سورت سے حرارت دیجیے تاکہ اللہ کی توحید کا نعرہ زبانوں پر جاری ہو سکے۔

آیئے...... شریعت کی دشمن فوجوں اور ایجنسیوں کی قتل گاہوں میں اس سورت کا اعلان کر دیجیے کہ محمد ﷺ کی لائی شریعت کی تلقین اور اس پر ڈٹ جانے کی وصیت ہی اس قرآن کی لاج رکھ سکتی ہے۔

آیئے......اس سورت کے معنیٰ میں غور کرتے ہیں جس کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لو لم ينزل غير هذه السورة لكفت الناس لأنها شملت جميع علوم القرآن۔

''اگر قرآن میں صرف یہی ایک سورت ہوتی تو اکیلے ہی تمام انسانیت کے لیے کافی تھی، کیونکہ اس میں تمام علومِ قرآن ہیں''۔

أعوذ باللّٰه من الشيطٰن الرجيم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

وَالْعَصْرِ (1) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (2) إِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3)

زمانے کی قسم۔ انسان در حقیقت بڑے گھاٹے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔

وَالْعَصْرِ

مطلق زمانے کی قسم ہے۔ یا عصر کا وقت مراد ہے۔ یا امت محمدیہ ﷺ کا زمانہ مراد ہے، کیونکہ اس امت کی عمر کی مثال عصر تا مغرب ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنْ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ۔[1]

حضرت سالم بن عبد اللہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "تمہاری بقایا مدت پہلی امتوں کے مقابلے ایسی ہے جیسے عصر کی نماز سے غروبِ آفتاب تک کا وقت"۔

جس امت پر پہاڑوں جیسی ذمہ داری ڈالی گئی ہو اور وقت اتنا تھوڑا ملا ہو...... سو اس امت کو جھنجوڑا جا رہا ہے کہ تمہارے پاس وقت بہت تھوڑا ہے، اور وقت بھی ایسا جس میں ہبڑ دھبڑ ہوتی ہے، ہر ایک جلدی میں ہوتا

[1] صحيح البخاري؛ باب من أدرك ركعة من العصر قبل الغروب

ہے۔

دن کے آخری وقت میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ اے انسان غفلت سے بیدار ہو جا...... کیونکہ شام جب ڈھلنے لگتی ہے...... 'سائے' ساتھ چھوڑ دینے کے لیے دراز ہونا شروع ہو جاتے ہیں...... چرند و پرند بھی اپنے نشیمن، اپنے گھونسلوں کی جانب پلٹنے لگتے ہیں۔

سو اے انسان! اگر تجھے کچھ عقل ہے تو دیکھ کہ تیری زندگی کی شام ڈھلا چاہتی ہے، تیرا سایہ تک تیرا ساتھ چھوڑنے والا ہے...... تجھے تو اس کا بھی علم نہیں دیا گیا کہ تیری زندگی کی شام کب ڈھل جائے...... پھر بھی تیری غفلت...... اپنی منزل سے غفلت...... اپنے مالک کے سامنے جا کھڑا ہونے سے لاپرواہی کس قدر نادانی ہے؟

والعصر! دن کا آخری وقت...... اے انسان! اس ڈوبتے سورج کو دیکھ کہ چند ساعات پہلے یہی سورج تھا جس کی چکا چوندھ کی کوئی تاب نہ لا سکتا تھا، کوئی آنکھ اس کی طرف دیکھنے کی سکت نہیں رکھتی تھی، جس کی تمازت و حدت سے جسم پانی پانی ہوتے تھے...... لیکن اس عروج کے بعد اس کے زوال و غروب کا منظر بھی دیکھ...... چنانچہ اے طاقت و دولت کے نشے میں مدہوش انسان! اے جوانی پر ناز کرنے والے نوجوان! اے شباب کے سحر میں کھوئی مسلمان بہن! اس عروج کے بعد زوال کو بھی سامنے رکھ...... اور اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے ابھی سے جھک جا کہ اس کے علاوہ کسی کو دوام نہیں...... سب زوال و فنا ہو جانے والے ہیں...... زندگی کی چند سانسوں کی صورت میں جو سرمایہ دے کر تجھے بھیجا گیا ہے، اسے کامیاب تجارت میں لگا دے، یا مکمل اسے اس کے مالک کو ہی بیچ ڈال اور پھر اس سودے کو وفا کر جا...... وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ...... کہ یہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ

پہلی آیت میں زمانے کی قسم کھانے کے بعد بھی انسان کے گھاٹے میں ہونے کا اعلان کئی تاکیدوں کے ساتھ کیا جارہا ہے۔

1. إِنَّ کی تاکید کے ساتھ: یعنی اس بات میں کوئی شبہ ہی نہیں، بلکہ یہ بات یقینی ہے۔
2. لَفِيْ خُسْرٍ یعنی گھاٹے میں ہے۔ خاسر نہیں کہا کہ نقصان اٹھانے والا ہے، بلکہ گھاٹے میں ڈوبا ہوا ہے۔

جبکہ خسارہ ہر انسان کے اعتبار سے مختلف ہے، کسی کو مکمل خسارہ... دنیا بھی گئی اور آخرت بھی۔

جیسا کہ قرآن نے اعلان کیا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ [الحج: 11]

"اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ چنانچہ اگر اسے (دنیا میں) کوئی فائدہ پہنچ گیا تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش پیش آگئی تو وہ منہ موڑ کر (پھر کفر کی طرف) چل دیتا ہے۔ ایسے شخص نے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی۔ یہی تو کھلا ہوا گھاٹا ہے"۔

کوئی شیطان کے حکم پر خواہشات اور دنیا کی لمبی چوڑی امیدوں کے پیچھے پڑ کر خسارے کا شکار ہوا:

﴿وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا﴾ [النساء: 119]

"اور میں انھیں راہ راست سے بھٹکا کر رہوں گا، اور انھیں خوب آرزوئیں دلاؤں گا، اور انھیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کے دین میں تبدیلی کریں گے۔ اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے اس نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا"۔

کسی کو دنیا میں تھکنے کے بدلے دنیا تو مل گئی لیکن ابدی آخرت کا مکمل خسارہ ہاتھ آیا۔ فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ﴾ [الأحقاف: 20]

"اور اس دن کو یاد کرو جب ان کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) تم نے اپنے حصے کی اچھی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ختم کر ڈالیں اور ان سے خوب مزہ لے لیا، لہذا آج تمہیں بدلے میں ذلت کی سزا ملے گی، کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے، اور کیونکہ تم نافرمانی کے عادی تھے"۔

خسارے کا شکار ہونے والوں کی یہ ایک اور قسم ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (103) الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ [الكهف: 103، 104]

"آپ کہہ دیجیے کیا ہم تمہیں ان لوگوں کے بارے میں نہ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں رہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی ہی میں برباد ہو گئیں، اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ تو بڑا اچھا کام کر رہے ہیں"۔

إِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا

پس انسانیت خسارے میں ہے......
کون اس خسارے سے بچ سکتا ہے۔ اسے آگے بیان فرمایا:
﴿إِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا﴾
'سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے'۔

اللہ تعالیٰ نے إلا الذین اٰمنوا کہہ کر یہ بتادیا کہ اس خسارے سے وہی بچ سکتے ہیں جو اللہ کے غیر کی عبادات چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اوراس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائیں۔ جو کلمہ پڑھا ہے اس کے تقاضوں کو پورا کریں اور کلمے میں جو عہد اللہ کے ساتھ کیا ہے اسے کسی بھی مرحلے پر نہ توڑیں۔ ایسے لوگ کامیاب ہیں۔

ایمان کیا ہے؟

اہلِ سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جس نے کلمہ توحید کو اس کی تمام شرائط کے ساتھ پڑھا اور اس کے بعد کسی ایسے قول و فعل میں مبتلاء نہیں ہوا جو اس کلمہ سے خارج کر دیتا ہے، وہ مسلمان ہے اور وہ ایک دن ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : يَخْرُجُ مِنْ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ شَعِيرَةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنْ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنْ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم سے ہر وہ شخص (اپنی سزا پوری کر لینے کے بعد) نکل آئے گا جس نے لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) پڑھا اور اس کے دل میں

جو کے دانے کے برابر بھی بھلائی پائی گئی، اور جہنم سے ہر وہ شخص (اپنی سزا پوری کر لینے کے بعد) نکل آئے گا جس نے لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) پڑھا اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر بھی بھلائی پائی گئی، اور جہنم سے ہر وہ شخص (اپنی سزا پوری کر لینے کے بعد) نکل آئے گا جس نے لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) پڑھا اور اس کے دل میں ذرے کے برابر بھی بھلائی پائی گئی۔[2]

مسلمان سے ایمان کے تقاضے

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اہلِ سنت والجماعت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ کلمہ اسی حال میں فائدہ دے سکتا ہے جبکہ اس کی شرائط کے ساتھ اسے پڑھا جائے اور اس کے بعد اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ چنانچہ بعض شرائط ایسی ہیں جنھیں پورا کیے بغیر، زبان سے کلمہ پڑھنے کے باوجود انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے کہنے یا کرنے سے انسان کلمہ پڑھنے کے بعد کلمہ سے نکل جاتا ہے۔[3]

﴿وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ [البقرة: 217]

"اور تم میں سے جو کوئی بھی اپنے دین سے پھر گیا اور اسی کفر کی حالت میں مر گیا تو برباد ہو گئے اس کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں اور ایسے لوگ جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے"۔

اللہ کا قرآن کتنے ہی ایسے لوگوں کے ناکام و نامراد ہونے کا اعلان کر رہا ہے جو زبان سے کلمہ پڑھنے کا دعویٰ کر رہے تھے۔ منافقین کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ وہ جہنم کے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔ اگر صرف زبان سے کلمہ پڑھنا آخرت کی نجات کا سبب ہوتا تو منافقین کو کافروں سے سخت عذاب کیوں دیا جاتا؟ معلوم ہوا کہ زبان سے کلمہ پڑھنا کچھ شراط کے ساتھ عند اللہ قبول کیا جائے گا۔

---

[2] متفق عليه واللفظ للبخاري

[3] اس بارے میں تفصیل راقم نے اپنی زیرِ نظر تالیف "دورِ حاضر میں کلمہ گو سے کلمے کے تقاضے" میں تحریر کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حالت کو یوں بیان فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة:8]

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور آخرت کے دن پر، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں''۔

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۝﴾[المنافقون:1]

''جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ واقعی اس کے رسول ہیں، اور اللہ (یہ بھی) گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق لوگ جھوٹے ہیں''۔

یہ طبقہ کافروں سے بھی زیادہ خسارے میں ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾ [النسآء:145]

''یقینا منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، اور آپ ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے''۔

اسی طرح جو اس کلمہ کو پڑھنے کے بعد ایسی بات کر بیٹھا جو اسلام سے خارج کر دیتی ہے، اور اسی حال میں مر گیا تو ایسا شخص بھی عظیم خسارے سے نہیں بچ سکتا۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ زبان سے کلمہ پڑھنے کے باجود ایسے کام کریں جو اس کلمے سے خارج کر دیتے ہیں، یہ کلمہ انھیں کوئی فائدہ نہیں دے گا... خواہ وہ مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہوں، نمازیں پڑھتے ہوں یا حج کرتے ہوں۔

ایمان کے صحیح ہونے کی شرائط کی جانب اشارہ کرتے ہوئے امام شامی رحمۃ اللہ علیہ رد المحتار میں فرماتے ہیں:

''اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جو ضروریاتِ اسلام[4] کا مخالف ہو...... اگرچہ

[4] دین کے وہ یقینی اور قطعی عقائد واحکام جن کا علم ہر خاص وعام مسلمان کو ہوتا ہے، مثلا نماز، زکات، روزہ، حج وجہاد وغیرہ۔ راقم

وہ اہلِ قبلہ میں سے ہو اور ساری عمر عبادات واطاعات کا پابند رہا ہو"۔[5]

نیز علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ 'اکفار الملحدین' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ" یعنی 'جو شخص ہماری (طرح) نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کو اختیار کرے، اور ہمارے ذبیحہ کو (حلال سمجھے اور) کھائے، وہ مسلمان ہے' کی مراد بھی یہی ہے کہ تمام دین کو مانتا ہو اور کسی بھی موجبِ کفر عقیدہ، قول یا فعل کا مرتکب نہ ہو، نہ یہ کہ ہر وہ شخص جو یہ تین کام کرے، وہ مسلمان ہے... اگرچہ کیسے ہی کفریہ عقائد و اعمال کا مرتکب ہو"۔

امام ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری کی شرح میں حدیث [أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، فإذا قالوها عصموا مني دماءهم وأموالهم] کی مراد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فتوهم طائفة من الصحابة أن مراده أن مجرد هذه الكلمة يعصم الدم حتى توقفوا في قتال من منع الزكاة، حتى بين لهم أبو بكر- ورجع الصحابة إلى قوله- أن المراد: الكلمتان بحقوقهما ولوازمهما، وهو الإتيان ببقية مباني الإسلام۔[6]

"بعض صحابہ کو یہ گمان ہوا کہ محض یہ کلمہ پڑھ لینا جان کو محفوظ بنادے گا، جس کے نتیجے میں وہ مانعین زکات کے خلاف قتال میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے سے رک گئے۔ پھر جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں اس حدیث کا مطلب سمجھایا کہ کلمہ پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ کلمہ اس کے حقوق اور اس کے تقاضوں کے ساتھ پڑھا جائے یعنی اسلام کی باقی بنیادوں کا بھی اقرار کیا جائے۔ پھر وہ صحابہ بھی سمجھ گئے"۔

---

[5] رد المحتار؛ كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام

[6] فتح الباري لابن رجب الحنبلي؛ كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل الصلاة لوقتها

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے وصال کے بعد جب جزیرۃ العرب میں ارتداد کا فتنہ اٹھا تو ان میں بعض لوگ وہ تھے جو زکات دینے سے انکار کر رہے تھے۔ پھر ان میں وہ لوگ بھی تھے جو زکات کی فرضیت کا تو انکار نہیں کر رہے تھے بلکہ صرف یہ کہتے تھے کہ زکات لینا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا اب ہم خود زکات ادا کریں گے، ابو بکر کو نہیں دیں گے، اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کا اعلان فرمایا:

فَقَالَ ابوُ بَكْرٍ: وَاللهِ، لاقَاتِلَن مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلاَةِ وَالزَّكاة. فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقّ المالِ.[7]

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو کلمہ گو ہیں، آپ ان سے قتال کس طرح کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا کہ جس نے کلمہ پڑھ لیا، اس کی جان و مال محفوظ ہو گئی۔

اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث سے دلیل دی، فرمایا: اسی حدیث میں ہے: إلا بحقها یعنی اس کی جان و مال محفوظ نہیں ہوئی جس نے کلمہ پڑھنے کے باوجود اسلام کا حق ادا نہیں کیا، اور زکات اسلام کا حق ہے۔ اس لیے میں ان سے اس وقت تک قتال کروں گا جب تک کہ یہ زکات ادا نہ کریں، یہاں تک کہ ایک اونٹ کی نکیل بھی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی متفق ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم! اللہ نے ابو بکر کے سینے کو کھول دیا تھا۔ اور صحابہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں دین سے پھر جانے سے ابو بکر نے بچا لیا۔

اسی طرح مذکورہ احادیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ 773ھ - 852ھ، 1372م - 1448م فتح الباری میں فرماتے ہیں:

وقد وردت الأحاديث بذلك زائدا بعضها على بعض ففي حديث أبي هريرة الاقتصار على قول لا إله إلا الله وفي حديثه من وجه آخر عند مسلم حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله وفي حديث بن عمر ما ذكرت وفي حديث أنس الماضي في أبواب القبلة فإذا صلوا واستقبلوا واكلوا ذبيحتنا، قال الطبري وغيره أما الأول فقاله

[7] إكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضي عياض (1/ 278)

في حالة قتاله لأهل الأوثان الذين لا يقرون بالتوحيد وأما الثاني فقاله في حالة قتال أهل الكتاب الذين يعترفون بالتوحيد ويجحدون نبوته عموما أو خصوصا وأما الثالث ففيه الإشارة إلى أن من دخل في الإسلام وشهد بالتوحيد وبالنبوة ولم يعمل بالطاعات أن حكمهم أن يقاتلوا حتى يذعنوا إلى ذلك وقد تقدمت الإشارة إلى شيء من ذلك في أبواب القبلة۔[8]

''مذکورہ حدیث مختلف الفاظ کے اضافوں کے ساتھ آئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف لا الٰہ کا ذکر ہے۔اور انہی کی حدیث میں جو صحیح مسلم میں ہے لا الٰہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا بھی ذکر ہے۔اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کلمہ کے ساتھ نماز، قبلہ ،اور ہمارے ذبیحہ کا ذکر ہے۔ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی روایت بت پرست مشرکین کے خلاف قتال کی صورت میں ہے جو توحید ہی کے منکر ہیں۔اور دوسری حدیث اہلِ کتاب سے قتال کے بارے میں ہے جو توحید کا تو اقرار کرتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے ،اور تیسری حدیث میں اشارہ ہے کہ جو اسلام لایا اور توحید و نبوت کی گواہی دی، لیکن اللہ کے لازم کردہ فرائض پر عمل نہیں کیا،ان کا حکم یہ ہے کہ ان سے اس وقت تک قتال کیا جائے گا جب تک کہ وہ ان فرائض کو ادا کرنا شروع نہ کردیں۔''[9]

زبان سے کلمہ پڑھنے کی کچھ تفصیل علمائے امت نے یوں بیان فرمائی ہے:

امام طحاویؒ شرح معانی الاثار میں فرماتے ہیں:

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ أَنَّ يَهُودِيًّا قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ نَسْأَلْ هَذَا النَّبِيَّ , فَقَالَ لَهُ الْآخَرُ: لَا تَقُلْ لَهُ نَبِيٌّ , فَإِنَّهُ إِنْ سَمِعَهَا صارت له أربعة أعين , فَأَتَاهُ فَسَأَلَهُ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ {وَلَقَدْ

---

[8] فتح الباري؛ بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ إِلَى الْإِسْلَامِ وَالنُّبُوَّةِ

[9] احناف کے نزدیک اس بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی فرد فرائض میں سے کسی فرض کو ترک کردیتا ہے تو اسے اس فرض کی ادائیگی کا حکم کیا جائے گا،اگر پھر بھی نہ مانے تو اسے قید کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس فرض کو ادا کرنے لگے۔اور اگر کوئی قوت رکھنے والی جماعت،ادارہ،یا حکومت کسی فرض کے التزام کو ترک کردے،تو پھر ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس فرض کو ادا کرنے لگیں۔

آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ} [الإسراء: 101] فَقَالَ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا , وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ , وَلَا تَسْرِقُوا , وَلَا تَزْنُوا , وَلَا تَسْحَرُوا , وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا , وَلَا تَمْشُوا بِبَرِيءٍ إِلَى سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهُ , وَلَا تَقْذِفُوا الْمُحْصَنَةَ , وَلَا تَفِرُّوا مِنَ الزَّحْفِ , وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةَ الْيَهُودِ , أَنْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ قَالَ: فَقَبَّلُوا يَدَهُ , وَقَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ , قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تَتَّبِعُونِي؟ قَالُوا: إِنَّ دَاوُدَ دَعَا أَنْ لَا يَزَالَ فِي ذُرِّيَّتِهِ نَبِيٌّ , وَإِنَّا نَخْشَى إِنِ اتَّبَعْنَاكَ , أَنْ تَقْتُلَنَا الْيَهُودُ , " قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: فَفِي هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ الْيَهُودَ قَدْ كَانُوا أَقَرُّوا بِنُبُوَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ تَوْحِيدِهِمْ لِلَّهِ , فَلَمْ [يأمر بترك] قتالهم رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يُقِرُّوا بِجَمِيعِ مَا يُقِرُّ بِهِ الْمُسْلِمُونَ , فَدَلَّ ذَلِكَ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا بِذَلِكَ الْقَوْلِ مُسْلِمِينَ , وَثَبَتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ لَا يَكُونُ إِلَّا بِالْمَعَانِي الَّتِي تَدُلُّ عَلَى الدُّخُولِ فِي الْإِسْلَامِ , وَتَرْكِ سَائِرِ الْمِلَلِ , وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ , عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , مَا يَدُلُّ عَلَى ذَلِكَ۔[10]

''حضرت صفوان بن عسّال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ اس نبی سے سوال کرتے ہیں، دوسرے نے کہا کہ نبی نہ کہو، اگر اس نے سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ چنانچہ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور قرآن کی اس آیت کے بارے میں پوچھا: [ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں دیں](سورۂ بنی اسرائیل:۱۰۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: (وہ نو باتیں یہ ہیں؛) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اللہ نے جس جان کو حرام کر دیا اسے قتل نہ کرو، سوائے کسی حق کی وجہ سے قتل کرنے کے، اور چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، اور کسی بے گناہ کو قتل کرانے کے لیے حاکم کے پاس نہ لے جاؤ، پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ، کافروں سے جنگ کے وقت پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو، اور یہود کے لیے خاص حکم ہوا کہ ہفتے کے دن سرکشی سے بچو۔ اس پر ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو چوما اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میری اتباع کرنے سے کیا چیز

[10] شرح معاني الآثار (3/ 215۔رقم 5127)

روک رہی ہے؟ یہ کہنے لگے کہ داؤد علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی رہے، سو ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپ کی اتباع کی تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ہے کہ یہود نے اللہ کی توحید کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کر لیا تھا۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قتال ترک کرنے کا حکم نہیں دیا جب تک کہ یہ بھی دیگر مسلمانوں کی طرح ان تمام چیزوں کو مان نہیں لیتے جن کا ماننا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ **سو یہ بات دلالت کر رہی ہے اس بات پر کہ یہ یہود اپنے اس قول کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور ثابت ہوا کہ اسلام ان باتوں کے بغیر نہیں معتبر ہوتا جو دخولِ اسلام پر دلالت کرتی ہیں اور تمام ادیان کو چھوڑ دینے کے بغیر اسلام نہیں ہوتا۔**

اسی بارے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مزید بیان فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا ابْنُ مَرْزُوقٍ , قَالَ: ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَكْرٍ , قَالَ: ثنا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ , عَنْ أَبِيهِ , عَنْ جَدِّهِ , قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ , مَا آيَةُ الْإِسْلَامِ؟ قَالَ «أَنْ تَقُولَ أَسْلَمْتُ وَجْهِي لِلَّهِ , وَتَخَلَّيْتُ , وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ , وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ , وَتُفَارِقَ الْمُشْرِكِينَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ» فَلَمَّا كَانَ جَوَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ , لَمَّا سُئِلَ عَنْ آيَةِ الْإِسْلَامِ «أَنْ تَقُولَ أَسْلَمْتُ وَجْهِي لِلَّهِ , وَتَخَلَّيْتُ , وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ , وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ , وَتُفَارِقَ الْمُشْرِكِينَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ» وَكَانَ التَّخَلِّي هُوَ تَرْكُ كُلِّ الْأَدْيَانِ إِلَى اللهِ ثَبَتَ بِذَلِكَ أَنَّ كُلَّ مَنْ لَمْ يَتَخَلَّ مِمَّا سِوَى الْإِسْلَامِ , لَمْ يَعْلَمْ بِذَلِكَ دُخُولَهُ فِي الْإِسْلَامِ , وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ , وَأَبِي يُوسُفَ , وَمُحَمَّدٍ , رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔[11]

"بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں، کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! اسلام کی نشانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ تم کہو میں نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا، اور میں ہر دین کو چھوڑ بیٹھا، اور تم نماز پڑھو، زکات دو، اور مشرکین کے ساتھ رہائش چھوڑ کر مسلمانوں

[11] شرح معاني الآثار (3/ 216)

کے پاس آجاؤ۔

(امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) تخلی تمام ادیان کو چھوڑ دینا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ جو کوئی بھی اسلام کے علاوہ ہر دین کو نہیں چھوڑے گا اس سے اس کا اسلام میں داخل ہونا نہیں جانا جائے گا، یہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے"۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ کلمہ کے کچھ تقاضے ہیں جنھیں پورا کیے بغیر یہ کلمہ معتبر نہیں سمجھا جاتا۔[12]

الٰہ کی تعریف

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ طیبہ کا مفہوم اختصار کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والٰه جعلوه اسماً لكل معبود لهم، وسموا الشمس إلاهة لاتخاذهم إياها معبودا ......
فالإلٰه علىٰ هذا هو المعبود۔[13]

"انھوں (یعنی کفار) نے اپنے ہر ایک معبود کا نام الہ (معبود) رکھ دیا تھا، اور سورج کا نام بھی الٰہ رکھا تھا کیونکہ انھوں نے اسے بھی معبود بنالیا تھا...... چنانچہ یہ الہ وہ چیز ہے جس کی عبادت کی جائے"۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ آیتِ کریمہ ﴿مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي﴾ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

أي شيء تعبدون ... من بعد وفاتي؟ ﴿قالوا نعبد إلهك﴾، يعني به: قال بنوه له: نعبد معبودك الذي تعبده، ومعبود آبائك إبراهيم وإسماعيل وإسحاق، ﴿إلها واحدا﴾

"(حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بیٹوں کو جمع کر کے پوچھا:) تم میری وفات کے بعد کس کی عبادت کروگے، تو ان (بیٹوں) نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے، جو کہ ایک الہ ہے"۔

---

[12] مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: 'اکفار الملحدین' از علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

[13] المفردات في غريب القرآن؛ ج ۱، ص ۲۱

علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں الہ کے معنی معبود سے کیے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

أما كفار قريش كانوا يطلقونه في حق الأصنام۔

"کفارِ قریش لفظ الہ کو اپنے معبودوں کے لیے استعمال کرتے تھے"۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الإله هو المعبود المطاع فهو إله بمعنىٰ مالوه۔

"الہ وہ معبود جس کی پیروی کی جائے (اللہ کے مقابلے میں) سو وہ الہ ہے جو معبود کے معنٰی میں ہے"۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الإله هو الذي تأله القلوب محبة وإجلالاوإنابة وإكراما وتعظيما وخوفا ورجاء وتوكلا۔

"الہ وہ ہے جس کے ساتھ دل اٹکے رہیں، محبت وبڑائی میں، انابت واکرام میں، خوف، امید اور توکل میں"۔

شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الہ کی تعریف یوں فرمائی ہے:

"آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر، اپنے درہموں پر، اپنی خرید وفروخت اور اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز جس پر کہ تو اعتماد کرے وہ تیرا معبود ہے، اور وہ شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع رکھے وہ تیرا معبود ہے، اور ہر وہ شخص جس پر نفع ونقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے، تو وہ تیرا معبود ہے۔[14]

جبکہ لا الہ الا اللہ میں معاہدہ ہی اس بات کا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود کے درجے پر نہیں بٹھایا جائے گا، تب جا کر یہ ایمان معتبر سمجھا جائے گا۔

[14] بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت؛ حصہ اول

عبادت کس کی؟

مذکورہ تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ الٰہ کے معنیٰ معبود کے ہیں، یعنی جس کی عبادت کی جائے۔ اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کی تعریف بھی سمجھتے چلیں کیونکہ ہمارے معاشرے میں عبادت کے معنیٰ یہی سمجھے جاتے ہیں کہ کوئی کسی کو سجدہ کرے یا کسی کی پوجا کرے۔ حالانکہ شریعت کی اصطلاح میں عبادت کا مفہوم اس سے کہیں وسیع ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [التوبة: 31]

" انھوں نے اللہ کے بجائے اپنے احبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنا لیا ہے۔ اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ ان کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے"۔

یہ آیت ان عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے قانون سازی (حرام و حلال، قانونی و غیر قانونی) کا اختیار اپنے راہبوں کو دے دیا تھا۔ جسے وہ حلال کہہ دیتے، ان کے ماننے والے بھی اسے حلال کر لیتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا تھا، اسی طرح جس چیز کو ان کی مقتدر قوتیں اور اشرافیہ حرام کہتی، لوگ بھی اسے حرام کہنے لگ جاتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو حلال کیا تھا۔

اس آیت کے شانِ نزول میں اکثر مفسرین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے عیسائی تھے) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: یا رسول اللہ! ہم نے ان (راہبوں) کو رب تو نہیں بنایا تھا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلَيْسَ يُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فَتُحَرِّمُونَهُ وَيُحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَتَسْتَحِلُّونَهُ"؟ قَالَ قُلْتُ:

بَلَى، قَالَ: "فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ"۔[15]

"کیا نصاریٰ ایسا نہیں کرتے تھے کہ اللہ کے حلال کیے کو راہب حرام قرار دیتے تم اسے حرام مان لیتے، اور اللہ کے حرام کردہ کو وہ حلال کرتے تم بھی اس کو حرام کر لیتے"۔

تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! ہم ایسا ہی کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہی تمہارا ان راہبوں کی عبادت کرنا تھا"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں واضح طور پر سمجھا دیا کہ کسی کو قانون سازی کا حق دے دینا، اس کی عبادت کرنا ہے۔

'عبادت' کے 'معنیٰ'؛ مفسرین کے اقوال میں

مفسرین کرام نے عبادت کرنے کے معنیٰ مندرجہ ذیل بیان کئے ہیں:

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ

فقہائے احناف کے سرخیل امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ (305 – 370ھ، بمطابق 917 – 980ء) فرماتے ہیں:

ثم قلدوا هَؤُلَاءِ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ فِي التَّحْلِيلِ وَالتَّحْرِيمِ وَقَبِلُوهُ مِنْهُمْ وَتَرَكُوا أَمْرَ اللّٰهِ تَعَالَى فِيمَا حَرَّمَ وَحَلَّلَ صَارُوا مُتَّخِذِينَ لَهُمْ أَرْبَابًا إِذْ نَزَّلُوهُمْ فِي قَبُولِ ذَلِكَ مِنْهُمْ مَنْزِلَةَ الْأَرْبَاب۔[16]

"پھر وہ (نصاری) حلال کرنے اور حرام کرنے میں اپنے احبار وراہبوں کی پیروی کرنے لگے، اور اس (فعل) کو ان کی جانب سے قبول کر لیا، اور اللہ کے حکم کو چھوڑ دیا جو کچھ اللہ نے حرام و حلال کیا تھا۔ اس طرح نصاریٰ ان راہبوں کو 'رب' بنانے والے بن گئے، کیونکہ ان نصاریٰ نے راہبوں کو امر (قانون) قبول کرنے میں رب کے رتبے پر فائز کر دیا تھا"۔

---

[15] تفسير البغوي - طيبة (4/ 39)

[16] أحكام القرآن للجصاص ت قمحاوي (4/ 300)

امام ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ (898 – 982ھ) فرماتے ہیں:

﴿أَرْبَابًا من دُونِ الله﴾ بأن أطاعوهم في تحريم ما أحله الله تعالى وتحليلِ ما حرمه۔[17]

" [انھوں نے اپنے علماء وراہبوں کو رب بنالیا تھا]وہ اس طرح کہ وہ (یہود و نصاریٰ) اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے ، حرام و غیر قانونی بنانے میں جسے اللہ نے حلال و قانونی بنایا تھا، اور حلال و قانونی کر لینے میں جسے اللہ نے حرام و غیر قانونی کہا تھا"۔

اس سے آگے فرماتے ہیں:

﴿إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إلها واحدا﴾ عظيمَ الشأنِ هو الله سبحانه وتعالى ويطيعوا أمرَه ولا يطيعوا أمرَ غيرِه بخلافه فإن ذلك مُخِلٌّ بعبادته تعالى

"انھیں حکم کیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے حکم و قانون کی پیروی کریں، اس کے مخالف کسی غیر کے حکم و قانون کی پیروی نہ کریں، کیونکہ ایسا کرنا اللہ کی عبادت میں خلل و نقصان کرنا ہے"۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (1217-1270ھ، 1802-1854ء) نے اسے عبادت ہی کے منافی قرار دیا ہے:

ويطيعوا أمره ولا يطيعوا أمر غيره بخلافه فإن ذلك مناف لعبادته جل شأنه۔

"اللہ نے انھیں یہ حکم دیا کہ وہ للہ کا حکم مانیں، اس کے مخالف اس کے غیر کا حکم نہ مانیں کیونکہ ایسا کرنا اللہ کی عبادت کے منافی ہے"۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ (544 – 606ھ، بمطابق 1150 – 1210ء) نے رب بنانے کے معنیٰ کو اور واضح کر کے بیان کر دیا تاکہ لوگ اچھی طرح اس کا مطلب سمجھ سکیں، فرماتے ہیں:

الْمَسْأَلَةُ الثَّانِيَةُ: الْأَكْثَرُونَ مِنَ الْمُفَسِّرِينَ قَالُوا: لَيْسَ الْمُرَادُ مِنَ الْأَرْبَابِ أَنَّهُمُ اعْتَقَدُوا

[17] تفسير أبي السعود = إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم (4/ 60)

فِيهِمْ أَنَّهُمْ آلِهَةُ الْعَالَمِ، بَلِ الْمُرَادُ أَنَّهُمْ أَطَاعُوهُمْ فِي أَوَامِرِهِمْ وَنَوَاهِيهِمْ۔[18]

"اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ رب بنانے سے یہ مراد نہیں کہ انھوں نے اپنے علماء و راہبوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شروع کر دیا تھا کہ وہ عالم کے معبود ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ احکامات اور پابندیوں میں ان (راہبوں) کی اطاعت کرتے تھے"۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں احکامات و پابندیوں میں کسی کی اطاعت کرنا اس کی عبادت کرنا ہے اور اسے معبود کے درجے پر فائز کرنا ہے۔

امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 375ھ، بمطابق 985ء) فرماتے ہیں:

أَرْباباً مِنْ دُونِ اللّٰهِ، يعني: اتخذوهم كالأرباب يطيعونهم في معاصي الله۔[19]

"یعنی ان (یہود و نصاریٰ نے) اپنے بڑوں کو رب کی طرح بنالیا تھا کہ وہ اللہ کی نافرمانیوں میں ان کی بات مانتے تھے"۔

یعنی اللہ کی نافرمانی میں جو اپنے افسروں اور حاکموں کا حکم مانتے ہیں، وہ انھیں رب بناتے ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ

یہی بات امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 516ھ، بمطابق 1222ء) نے فرمائی ہے:

قُلْنَا: مَعْنَاهُ أَنَّهُمْ أَطَاعُوهُمْ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحَلُّوا مَا أَحَلُّوا وَحَرَّمُوا مَا حَرَّمُوا، فَاتَّخَذُوهُمْ كَالْأَرْبَابِ۔[20]

"ہم نے کہا: اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے معاملے میں اپنے راہبوں کی بات مانی، اور راہبوں نے جسے حلال کہا اسے حلال جانا اور جسے حرام کہا اسے حرام مانا، پس انھوں نے

---

[18] التفسير الكبير (16/ 31)

[19] تفسير السمرقندي = بحر العلوم (2/ 53)

[20] تفسير البغوي (4/ 39)

اپنے راہبوں کے ساتھ رب کا معاملہ کیا"۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (19 اگست 1863ء-4 جولائی 1943ء) 'بیان القرآن' میں فرماتے ہیں:

"یعنی ان کی اطاعت تحلیل اور تحریم میں مثل طاعتِ خدا کے کرتے ہیں کہ نص پر ان کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے پس اس حساب سے وہ ان کی عبادت کرتے ہیں"۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (21 شعبان 1314ھ-10 شوال 1396ھ، بمطابق 25 جنوری 1897ء-6 اکتوبر 1976ء) تفسیر 'معارف القرآن' میں فرماتے ہیں:

"(آگے افعال کفریہ کا بیان ہے کہ) انھوں نے (یعنی یہود و نصاریٰ نے) خدا (کی توحید فی الطاعۃ) کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو (باعتبارِ اطاعت کے) رب بنا رکھا ہے (کہ ان کی اطاعت تحلیل اور تحریم میں مثل اطاعتِ خدا کے کرتے ہیں کہ نص پر ان کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے"۔

مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس تعلق کو واضح طور پر عبادت بیان فرما رہے ہیں۔

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ (وفات 1343ھ بمطابق 1999ء) تفسیر 'انوار البیان' میں فرماتے ہیں:

"جب تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے جو خالق اور مالک ہے تو اس کے سوا جو کوئی شخص تحلیل و تحریم کے قانون بنائے اور اپنے پاس سے حلال و حرام قرار دے، اس کی بات ماننا اور فرمانبرداری کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شریک بنانا ہوا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اس کی عبادت ہے، اسی طرح ان امور میں غیر اللہ کی فرمانبرداری کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہیں یہ ان کی عبادت ہے... چاہے انھیں سجدہ نہ کریں، چونکہ ان جاری کیے ہوئے احکام کے ساتھ

فرمانبرداری کا وہی معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ ہونا چاہیے اس لیے ان کی اتباع اور اطاعت کو عبادت قرار دیا''۔

'' فائدہ: اب دورِ حاضر میں جبکہ آزاد منش لوگ اسلامی احکام پر چلنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور دشمنانِ اسلام سے متاثر ہیں، کہتے ہیں کہ حضرات علماء کرام جمع ہو کر میٹنگ کریں، اور اسلامی احکام کے بارے میں غور و فکر کریں اور فلاں فلاں احکام کو بدل دیں یا ہلکا کر دیں اور فلاں فلاں حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیں۔ یہ ان لوگوں کی جہالت اور حماقت کی بات ہے۔ اگر علماء ایسا کرنے بیٹھیں گے تو کافر ہو جائیں گے''۔

مفسرین کی تفسیر کی روشنی میں اس آیت سے معلوم ہوا کہ:

- اللہ کے ساتھ کسی ریاست یا ادارے یا عمارت کو یہ حق دے دینا کہ وہ جس چیز کو چاہیں قانونی (حلال) قرار دیں، اور جسے چاہیں غیر قانونی (حرام) قرار دیں، ایسا کرنا اس ریاست یا ادارے یا عمارت کو اللہ کو چھوڑ کر معبود بنانا کہلائے گا۔
- جو اللہ کے کسی حرام کو قانونی (حلال) قرار دیں... جیسے سود اور سودی مراکز (بینکوں) کو حلال یا آئینی قرار دینا، مسلمانوں کے خلاف کافروں کا تعاون کرنا، قرآن کے قانون کے خلاف فیصلہ کرتی عدالتوں کو مباح یا آئینی حیثیت دینا۔ ایسے لوگ اور ادارے گویا خود کو معبود بناتے ہیں۔
- پھر جو کوئی کسی کی اس حیثیت کو تسلیم کرلے یا ان کی اطاعت کرنے لگے گویا یہ اس کی عبادت کرنے والا ہے۔
- حرام اور اللہ کی نافرمانی کے کاموں میں کسی کی اطاعت کرنا... جیسے اپنے افسروں کے کہنے پر سودی اداروں، گانے بجانے کی محفلوں کی جگہوں پر ڈیوٹی دینا، نفاذِ شریعت (بنام دہشت گردی) کی اس جنگ میں مجاہدین کے خلاف لڑنا، یا کسی بھی طرح سے فوج و پولیس کا تعاون کرنا وغیرہ... اور
- اپنے افسروں، اداروں یا پارلیمنٹ کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ وہ جو بھی حکم دیں ہمارے اوپر اس کی تعمیل واجب ہے، ایسا تعلق ان کی 'عبادت' کہلائے گا۔

فکر کا مقام

کیا جمہوری نظام میں پارلیمنٹ کو یہی اختیار نہیں دیا گیا؟ اور کیا جمہوریت کے تمام ستون اور شارحین یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ قانون سازی کا اختیار تو پارلیمنٹ کے پاس ہے؟ نیز کیا جمہوری ریاستوں میں عملاً بھی ایسا ہی نہیں ہو رہا کہ ریاست جسے چاہے حلال کر دے، جس پر چاہے پابندی لگا دے، اس کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے، اس کے خلاف کرنے کو ریاست کا 'مجرم' اور نہ ماننے والے کو 'باغی' کہا جاتا ہے۔

حقیقی اور شفاف جمہوریت (مشرقی ہو یا مغربی) یہی ہے۔ اصل جمہوریت جسے کامیابی کی ضمانت کہا جاتا ہے اس کی روح ہی یہ ہے۔

کیا کوئی بھی چار چھ جماعتیں پڑھا اس کی تعریف نہیں جانتا؟ اصل اور شفاف جمہوریت کی روح ہی یہ ہے کہ وہ تشریع (قانون سازی) کا حق مطلقاً پارلیمنٹ کو دیتی ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ پارلیمنٹ ۷۳ کے آئین کی پابند ہے، جس میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کے لیے تسلیم کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ حاکمیتِ اعلیٰ کا اختیار اللہ کے لیے کس نے منظور کیا؟ اسی پارلیمنٹ نے۔ اور کیا دنیا میں کوئی ایسی جمہوریت پائی جاتی ہے جس میں پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر اللہ کو یہ حق دیا جاسکتا ہو؟ جو بھی جمہوریت کی روح اور اس کی تعریف سے واقف ہے وہ اس کا جواب اچھی طرح جانتا ہے۔ اگر یہ نظام اتنا ہی اسلامی ہے اور یہ آئین اتنا ہی اسلامی ہے تو پھر حکمِ رجم (سنگسار) کو آئین کا حصہ بنانے کے لیے پارلیمنٹ کی منظوری کا محتاج کیوں بنایا گیا ہے؟ اور سود کے غیر قانونی (حرام) قرار دینے میں پارلیمنٹ کا بلکہ دو تہائی اکثریت کا انتظار کیوں؟

صاف ظاہر ہے کہ اس نظام میں کون حاکمِ اعلیٰ ہے؟ جو منظوری دے یا جسے منظوری کے قابل سمجھا جائے۔ اور منظوری ملے تو ٹھیک ورنہ رد بھی کر دی جائے تو ایوان کے تقدس پر کوئی حرف نہیں آتا؟ فتدبر!

پھر یہ پارلیمنٹ بار بار اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہی ہے کہ اس کے سامنے (العیاذ باللہ) اللہ کی حاکمیت کی کیا حیثیت ہے؟...... جیسے سود کا مسئلہ، شادی شدہ زانی کو رجم کا مسئلہ، مسلمانوں کے قتل میں کافروں کا ساتھ دینا، بے حیائی و الحاد پھیلانے والے ذرائع ابلاغ اور افراد کو تحفظ دینا، سودی نظام کی حفاظت کے لیے جنگ کو جائز

بلکہ عبادت سمجھنا، شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کو جہاد کہنا، اسلام کے محکم فریضے جہاد کو حرام (غیر قانونی) قرار دینا وغیرہ۔ ان تمام مسائل میں پارلیمنٹ نے ثابت کیا ہے کہ اس نظام کے ہوتے ہوئے حاکمیتِ اعلیٰ کا اختیار اسی کے پاس ہے، اللہ کے پاس نہیں، العیاذ باللہ۔

اس قدر واضح صورتحال کے علی الرغم اللہ کے دین، اس کے قرآن اور اس کے نبی ﷺ کی لائی شریعت کے خلاف اتنی جرأت...... کہ ہر کفر پر اسلام کا لیبل لگا کر قبول ہے، اگر قبول نہیں تو صرف وہ شریعت جسے اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو دے کر بھیجا ہے۔ اسے من و عن آئین و قانون تسلیم کرنے کے خلاف دہشت گردی کی عالمی جنگ، نیشنل ایکشن پلان، آپریشن، بے گناہ مسلمانوں کا قتلِ عام، ان کے گھر بار سے انھیں نکال باہر کرنا...... اگر تمہارا نظام ہی اسلامی ہے تو قرآن کے نظام و قانون کو بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کا محتاج بنائے تسلیم کیوں نہیں کر لیتے؟

آپ کو اللہ کا وسطہ...... چند دن کی زندگی کی خاطر اللہ کی آیات کو نہ بیچئے...... اللہ کی آیات کو ان کے محمل و مصداق سے ہٹا کر تحریفِ کلمات اللہ کا جرم نہ کیجیے...... اگر تواصوا بالحق کی ہمت نہیں اور کوئی عذر ہے تو پھر اتنا تو کیجیے کہ زبانوں کو بند کر کے بیٹھ جائیے...... حق کا اعلان نہیں کر سکتے، حق کی تائید نہیں کر سکتے، حق کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کم از کم کفر کو اسلام تو ثابت نہ کیجیے...... مقتدر قوتوں اور خفیہ ایجنسیوں کے خوف سے کفر و اسلام کو ایک تو نہ کیجیے...... اکثر کفر اور کچھ اسلام کے ملغوبے کو اسلام تو نہ قرار دیجیے...... ہمیں آپ پر خفیہ ایجنسیوں کے دباؤ اور آپ کی 'مجبوریوں' کا علم ہے۔ بس کیجیے...... اللہ کے لیے بس کیجیے...... کفر و تکفیر کی بحثوں میں کفر و اسلام کو گڈ مڈ نہ کیجیے...... یہ تمام اہلِ سنت والجماعت جانتے ہیں کہ کسی قول و فعل کا کفر ہونا الگ بات ہے اور اس کے مرتکب کی تکفیر ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ اس سے ہم سو فیصد اتفاق کرتے ہیں کہ کسی موجبِ کفر فرد کی تکفیر کرنے میں جو احتیاطیں علمائے اہلِ سنت نے بیان کی ہیں، یہی ہمارا عقیدہ ہے اور الحمد للہ ہم اس پر آج بھی قائم ہیں...... لیکن آپ تو کفر کو اسلام ثابت کرنا چاہتے ہیں اور کفر کے دفاع میں دلیل موانع تکفیر والی دے رہے ہیں...... اس فرق کو ملحوظ رکھیے کہ...... کسی کفر میں مبتلا شخص کی تکفیر کرنے میں تمام احتیاطیں اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ کفریہ قول و فعل اسلام بن جاتا ہے...... اسے خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے...... آپ اس

تمام بحث میں جان بوجھ کر خلطِ مبحث کر رہے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ اچھی طرح واقف ہے...... آپ افراد کو کفر سے بچانے کے لیے ان کے کفر کو ہی اسلام ثابت کرنا چاہتے ہیں جو کہ اہلِ سنت والجماعت میں سے کسی کا بھی عقیدہ نہیں ہے...... اللہ کے ساتھ کھلے کفر کو اسلام ثابت کرنا...... یہ نصاریٰ کے اس قول سے بھی بھاری ہے...... جو انھوں نے اللہ کا بیٹا بنانے کے بارے میں کہا:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (88) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا (89) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (90) أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (91) وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا﴾ [مریم: 88۔ 92]

''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہے۔ (ایسی بات کہنے والو!) حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ کہ ان لوگوں نے خدائے رحمن کے لیے اولاد ہونے کا دعوی کیا ہے۔ حالانکہ خدائے رحمن کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو''۔

سو صریح نظامِ کفر (جمہوریت) کو اسلامی ثابت کرنا کتنا بھاری جرم ہے، کاش کہ آپ اس کا اندازہ کر سکتے۔

کلمہ توحید کا تقاضا: تمام نظاموں (ادیان) سے براءت

معبود و عبادت کی تعریف جان لینے کے بعد جاننا چاہیے کہ کلمہ توحید کا اپنے ماننے والوں سے پہلا مطالبہ تمام معبودانِ باطلہ اور تمام نظاموں کا انکار اور ان سے براءت ہے، اس کے بعد ایمان باللہ ہے، جیسا کہ کلمہ کی ترتیب خود بتا رہی ہے۔

لا اله الا الله محمد رسول الله

''کوئی معبود نہیں، کسی کی عبادت نہیں، اللہ کے سوا، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ

بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [البقرة:256]

"دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا، اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کڑی کو تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں، اور اللہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے غیر اللہ کے انکار کو بیان کیا، اس کے بعد اللہ پر ایمان کا ذکر کیا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ، عَلَى أَنْ يُعْبَدَ اللَّهُ ، وَيُكْفَرَ بِمَا دُونَهُ ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔[21]

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

۱۔ یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے علاوہ کا انکار کیا جائے،

۲۔ اور نماز قائم کرنا،

۳۔ اور زکات ادا کرنا،

۴۔ اور حج کرنا،

۵۔ اور رمضان کے روزے رکھنا"۔

إلا الذين آمنوا: صرف وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے کہ معبود صرف وہی ہے، نماز میں بھی صرف اسی کی عبادت کی جائے گی اور تجارت و معاملات اور حکومت و عدالت میں بھی اس کے علاوہ کسی کو معبود نہیں بنایا جائے گا۔

[21] صحیح مسلم (1/ 34) دار الجيل

وہی حاکم ہے اور وہی خالق ہے...

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ [الأعراف:54]

نہ اس کی صفتِ خلق میں کوئی شریک، نہ اس کی صفتِ امر و حاکمیت میں کوئی شریک...... تشریع یعنی قانون سازی صرف اسی کا حق ہے۔ اس میں کسی کی شرکت اس کے علاوہ کو معبود بنانا ہے جو کہ صریح کفر ہے...... کیا آئینی (شرعی) ہے اور کیا غیر آئینی (غیر شرعی)...... کیا قانونی (حلال) ہے اور کیا غیر قانونی (حرام)...... یہ اس کی صفت ہے...... اس کا اختیار کسی اور کو نہیں...... اسی کا حکم و قانون بغیر پارلیمنٹ میں پیش کیے نافذ ہو کر عمل کیے جانے کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ ہر آئین و نظام باطل ہے۔ سو اس کا نازل کیا قانون اس بات سے پاک ہے کہ پہلے جمہوریت کا دارالندوہ (کفارِ مکہ کی پارلیمنٹ جس میں بیٹھ کر وہ قانون سازی کیا کرتے اور پھر اسے مذہبی رنگ دینے کے لیے بتوں کی جانب منسوب کر دیتے) اس پر بحث کرے...... اس پر ووٹنگ کرے کہ قرآن کا قانون ریاست کے آئین کا حصہ بننے کے قابل ہے یا نہیں (معاذ اللہ)؟ اس کو منظور کیا جائے یا پارلیمنٹ اس کو رد کر دے...... پھر چاہے تو ریاست کی دیوی کا دارالندوہ اسے رد کر دے اور اللہ کا نازل کردہ قانون جسے محمد ﷺ کو دے کر بھیجا گیا، (العیاذ باللہ) پارلیمنٹ سے نکال باہر کیا جائے...... پھر بھی پارلیمنٹ مقدس ٹھہرے...... اس کے تقدس کے حلف اٹھائے جائیں...... اس کی عظمت و وقار کے واسطے دیے جائیں۔

گویا جمہوریت نام ہے اللہ کے اختیار کو پارلیمنٹ کے ظالموں، اوباشوں، شرابیوں اور زانیوں کے ہاتھ میں دے دینے کا...... کہ وہ جسے چاہیں حلال (قانونی) کہیں اور جسے چاہیں حرام (غیر قانونی) قرار دیں۔

اللہ کے قرآن کو پارلیمنٹ کی منظوری کا محتاج بنانا، یہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کھلا کفر ہے...... اس کا مذاق و استہزاء ہے...... رحمۃ للعالمین ﷺ کے لائے دین کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور اس سے بڑی توہین اور کیا ہو سکتی ہے...... اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو گا۔

اللہ کے محکم قانون کو پارلیمنٹ کی منظوری کا محتاج بنانے کے نظریے کے ساتھ اللہ پر ایمان کس فقیہ کے ہاں قابلِ قبول ہو سکتا ہے، سوائے ان کے جن کا علم بکتا ہے تھوڑے سے مال و متاع کے بدلے، یا جو زندگی کی سانسیں باقی رکھنے کے لیے مقتدر طبقے کی ہر بات ماننے پر مجبور ہو گئے۔

تاریخِ انبیاء اس بات پر گواہ ہے کہ انبیاء اور ان کے مخالفین کے مابین اصل تنازع اسی بات پر رہا کہ انبیاء اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں عبادت کو صرف ایک اللہ کے لیے خاص کیا جائے، مذہبی رسومات کے ساتھ ساتھ معاملات میں بھی دیگر معبودوں کے بجائے ایک اللہ ہی کے احکامات کی اطاعت کی جائے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب دین کے اس شعبے کی دعوت دی تو ان کی قوم کے مقتدر طبقے کو بڑا اچنبھا ہوا اور کہنے لگے:

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴾ [هود: 87]

''وہ کہنے لگے: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے تھے، ہم انھیں بھی چھوڑ دیں اور اپنے مال و دولت کے بارے میں جو کچھ ہم چاہیں، وہ بھی نہ کریں؟ واقعی تم تو بڑے عقل مند، نیک چلن آدمی ہو''۔

یعنی یہ قوم بھی اس بات پر حیران تھی کہ شعیب علیہ السلام کا دین ہمارے مالی نظام اور دنیاوی معاملات میں مداخلت کیوں کر رہا ہے؟

آج بھی حق و باطل کے مابین یہی لڑائی ہے۔ دہشت گردی کی عالمی جنگ ایسے ہی دیوانوں کے خلاف ہے جو مذہبی رسومات کے ساتھ ساتھ معاملات میں بھی ایک اللہ کے نازل کردہ آئین کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

صرف دینِ اسلام... مشترکہ دین قبول نہیں

الذین آمنوا: جو ایمان لائے ایک اللہ پر اور ایمان لائے اس پوری شریعت پر جو محمد ﷺ کو دے کر بھیجی گئی، جو اللہ کے ساتھ کسی دورِ جدید کے بت کو معبود نہیں بناتے...... جو مسجد میں بھی ایک اللہ ہی کو معبود مانتے ہیں اور معیشت و تجارت، حکومت و عدالت اور نفع و نقصان میں بھی اللہ کے علاوہ ہر معبود کا انکار کرتے ہیں۔

وہ صرف اللہ کے نازل کردہ دین پر ہی ایمان رکھتے ہیں...... اسلام کے ساتھ وہ کسی اور دین (نظام) کو نہیں مانتے اور نہ مشترکہ دین کو مانتے ہیں کہ کچھ اسلام سے لے لیا اور کچھ اس کے علاوہ سے لے کر ایک نیا دین بنالیا۔

حق و باطل کے مابین اس جھگڑے میں باطل کی طرف سے طاقت کے زور پر حق کی دعوت کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے لیے ہر قسم کا ظلم روا رکھا جاتا ہے۔ ظلم و ستم اور دھونس و دھمکیوں میں ناکامی کے بعد باطل کی جانب سے مذاکرات، بقائے باہمی، مفاہمت و مصالحت اور اتحاد و ہم آہنگی کے خوشنما نعروں کے ذریعہ حق و باطل کو گڈمڈ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کے خلاف جزیرۃ العرب کی سب سے بڑی قوت قریش کے مقتدر طبقے نے جب یہ دیکھا کہ اسلام کو جبراً دبانے کی ہر کوشش ناکام ہوتی جارہی ہے، تو انھوں نے بھی اب صلح جوئی، مصالحت اور بقائے باہمی کے نام پر وحدتِ ادیان کے ڈول ڈالنے شروع کیے۔ ان کی جانب سے صلح کی مختلف تجاویز رحمۃ للعالمین ﷺ کے سامنے پیش کی جانے لگیں۔

صلح کی پہلی پیش کش

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک دن کفارِ مکہ میں سے پانچ لوگ... عبد اللہ بن امیہ مخزومی، ولید بن مغیرہ، مِکْرَز بن حَفْص، عَمْرو ابْن عَبْدِ اللہ بْنِ أَبِي قیس العامري اور عاص بن وائل... آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لائیں تو اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے کر آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پیش کش کو یوں بیان فرمایا:

﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ أَوْ بَدِّلْهُ﴾ [یونس:15]

"اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید

نہیں رکھتے، کہتے ہیں: اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ، یا اس میں تبدیلی کر دو"۔

لہٰذا ہمارے اور آپ کے درمیان صلح کی یہی ایک صورت ہے کہ نفرت آمیز اور امن و بھائی چارگی کو خراب کرنے والی باتیں بند کی جائیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے کر آیئے، جس میں لات و منات اور عزیٰ کی عبادت ترک کرنے کی بات نہ ہو[22]۔ یا اسی قرآن میں تبدیلی کیجیے...... اس سے ایسی باتیں نکال دیجیے جن میں ہمارے نظام اور معبودوں کی برائی کی گئی ہے، ہم سے ہماری پارلیمنٹ (دارالندوہ) کے منظور کیے گئے آئین و قانون اور نظام کو ترک کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، ہمارے نظام کی جن چیزوں کو اس نے حرام کہا انھیں حلال قرار دیا جائے، ہم نے جو معبود بنائے ہیں، جنھیں ہم نے بھاری اکثریت کے ساتھ قانون سازی کا حق دیا ہے یہ قرآن انھیں حرام کہتا ہے، انھیں باطل و طاغوت کہتا ہے، چنانچہ اس میں ترمیم کی جائے اور جنھیں حلال کہا انھیں حرام کہا جائے[23]۔

لیکن معبودِ حقیقی نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا:

﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ [یونس: 15]

"اے نبی ﷺ! انھیں بتا دیجیے، میرے لیے ممکن نہیں کہ میں اس میں اپنی جانب سے تبدیلی کر دوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ بلاشبہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔

آج چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی نہ کفر کا مزاج ہی بدلہ نہ کفر کے باغیوں کے انداز بدلے...... ساری دنیا کا کفر...... دیسی ہو یا ولایتی، ایک اللہ کو معبود ماننے والوں سے ایسا ہی مطالبہ کر رہا ہے کہ قرآن کی ایسی باتوں کو

---

[22] یعنی ایسا قرآن جس میں لات و عزیٰ اور منات کی عبادت کو ترک کرنے کا مطالبہ نہ ہو۔ لَيْسَ فِيهِ تَرْكُ عِبَادَةِ اللَّاتَ وَالْعُزَّى وَمَنَاةَ (تفسير البغوي - طيبة (4/ 125)

[23] دیکھئے تفسیرِ طبری اور تفسیر بحر العلوم ابو اللیث السمرقندیؒ في تفسیر هذه الآیة

نہ بیان کیا جائے جو کافروں کو بری لگتی ہیں، جن میں کفر کے بنائے عالمی اور مقامی معبودوں (نظام وطرزِ زندگی اور ریاست کے آئین) کی برائی ہوتی ہے، جمہوری نظام کو باطل کہا جاتا ہے، اور اس کفری نظام کو ختم کر کے صرف ایک اللہ کا نازل کردہ نظام نافذ کرنے کی بات کی جاتی ہے۔

لمحہ فکریہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرادیا کہ میں اس میں کچھ تبدیلی نہیں کر سکتا، یہی قرآن ہے جو مجھ پر وحی کیا گیا ہے، ماننا ہے تو اسی کو ماننا ہوگا، مصالحت کی کوئی اور صورت ناممکن ہے۔

لیکن آج کے مذہبی مصالحت کاروں کو دیکھیے...... آئے روز مختلف نعروں کے ساتھ کس طرح کفر واسلام کو ایک کرنے کے نام پر میلے ٹھیلے سجائے جاتے ہیں، ان کے مابین اتحاد و یگانگت اور مصالحت و ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی قومیت کے بت کے نام پر، کبھی جمہوریت کے نام پر، تو کبھی ریاست کی دیوی کے تقدس کی خاطر، تو من شدی من تو شدم کے راگ الاپے جاتے ہیں۔

واللہ المستعان! عقل اس وقت حیران رہ جاتی ہے جب ان میلوں اور بازاروں میں وہ لوگ بھی نظر آتے ہیں جنھیں علمِ دین کی جانب منسوب سمجھا جاتا ہے...... کفر واسلام کے مابین اتحاد و ہم آہنگی...... اللہ اور بتوں میں اتحاد و اتفاق...... جس کے بارے میں امام الانبیاء ﷺ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرادیا گیا...... قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ ...... لیکن ان علم فروشوں کی اللہ پر جرأت دیکھیے...... کس ڈھٹائی کے ساتھ ایسی کانفرنسوں میں شرکت کرتے ہیں اور پھر تصویریں بنوا کر دنیا کو بھی اپنی اس جرأت پر گواہ بناتے ہیں...... یہ علم کا بوجھ لادنے والے ان میلوں میں جاتے ہی اس لیے ہیں کہ اپنی لفاظی و قلم کو بیچ کر یہ بھی دنیا کا مال و متاع خرید سکیں...... اللہ کی آیات کی بولی لگا کر اپنے پیٹوں کو جہنم کی آگ سے بھر سکیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ

عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [البقرۃ:174]

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کرلیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھر رہے، قیامت کے دن اللہ ان سے کلام بھی نہیں کرے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾ [البقرۃ: 175]

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو خرید لیا ہے ہدایت کے بدلہ میں اور عذاب کو نجات کے بدلہ میں، اور یہ لوگ جہنم کی آگ کے لیے کس طرح تیار ہیں!"۔

دوسری پیش کش

اس پیش کش میں مفسرینِ کرام نے متعدد تجاویز نقل کی ہیں:

امام المفسرین ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ ایک دن مکے کے مقتدر طبقے میں سے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور کہنے لگے: اے محمد! ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ مکہ کے سب سے مالدار شخص بن جائیں گے، اور عرب کی سب سے حسین عورت سے آپ کی شادی کرادیتے ہیں، یہ ہماری طرف سے تمہارے لیے ہے، اس کے بدلے آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے باز آجایئے اور ان کی برائی نہ کیا کیجیے۔ اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو پھر ایک اور بات ہماری طرف سے ہے جس میں ہمارا اور آپ کا... دونوں کا فائدہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: وہ کیا ہے؟ کہنے لگے: ایک سال آپ ہمارے معبودوں ...لات و عزیٰ... کی عبادت کیجیے، ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ اس پر یہ سورت (یعنی الکافرون) نازل ہوئی۔ [24]

[24] تفسیرِ طبری، سورۃ الکافرون

ابو جہل کی سیکولر پیش کش

جبکہ امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں امام مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ابو جہل کی جانب سے یہ عجیب پیش کش نقل کی ہے:

ندخل معك في بعض ما تعبد وتدخل معنا في بعض ديننا أو نتبرأ من آلهتنا وتتبرأ من إلهك۔[25]

''ہم آپ کے ساتھ آپ کی بعض عبادات میں شریک ہو جاتے ہیں، اور آپ ہمارے کچھ دین میں داخل ہو جایئے، یا ہم اپنے معبودوں سے برأت کرتے ہیں اور آپ اپنے معبود سے برأت کیجیے''۔

اس پیش کش کا پہلا حصہ 'ہم آپ کے ساتھ آپ کی بعض عبادات میں شریک ہو جاتے ہیں، اور آپ ہمارے کچھ دین میں داخل ہو جایئے'...... اہلِ ایمان کو یہ پیش کش ایک بار پھر آج جمہوریت کے لبادے میں موجود سیکولرزم کر رہا ہے۔ سیکولر شخص (خواہ وہ کافرِ اصلی ہو یا مسلمانوں جیسے نام رکھے سیکولر) اسلام کی عبادات و رسومات میں شامل ہونے کو تیار ہے، اپنے اپنے ملکوں میں اس کی اجازت بلکہ اس کی حمایت کے لیے بھی تیار ہے، لیکن نظام اور طرزِ زندگی کے بارے میں وہ ذرہ برابر پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں...... بلکہ اس بارے میں اس کا مطالبہ یہ ہے کہ نظام اور طرزِ زندگی کے بارے میں آپ کو ہمارے دین پر آنا ہو گا، جمہوریت، عالمی سودی نظام، دوستی و دشمنی کا معیار قومی ریاستیں، عورت کی آزادی، دین کے اجتماعی امور سے دستبرداری اور خواہشات کو بھاتا، نفسانیت کو لبھاتا طرزِ زندگی، یہی 'الطریقۃ المثلیٰ' آئیڈیل اور قابلِ تقلید طرزِ زندگی ہے۔ سو اگر کسی نے اس پر کوئی بات کرنے کی کوشش کی تو لازم ہے کہ اس کے خلاف ہر ریاست اعلانِ جنگ کرے، اور اس وقت تک ایسے لوگوں سے جنگ جاری رہے جب تک کہ وہ اس دین میں داخل نہیں ہو جاتے۔

یہ ابو جہل کی پیش کش کا پہلا حصہ تھا۔ ابو جہل وحدتِ دین کی جو بات کر رہا تھا، وہ اس بارے میں ہر گز تیار نہیں تھا کہ نظامِ حکومت، قانون سازی، یعنی قانونی و غیر قانونی کے اختیارات سے وہ دستبردار ہو جائے۔

---

[25] تفسیر بحر العلوم، سورۃ الکافرون

اس کی پیش کش کا دوسرا حصہ: 'ہم اپنے معبودوں سے برأت کرتے ہیں اور آپ اپنے معبود سے برأت کیجیے'؛یعنی کسی مذہب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اس کو پڑھ کر لگتاہے کہ ابو جہل خالص نظریاتی قسم کا سیکولر انسان تھا جو صرف اپنی خواہشات کا غلام تھا اس کے لیے مسئلہ اپنے بتوں کی عزت وو قار کا نہیں تھا صرف اپنی سرداری اور اپنی خواہشات سے پیار تھا کہ اسے بچانے کے لیے اپنے معبودوں سے بھی برأت کرنے کو تیار تھا۔

ان تمام پیش کشوں میں اگر غور کیا جائے تو سب کا خلاصہ ایک ہی ہے کہ ہم نے جو نظام بنایا ہے، اپنی پارلیمنٹ (دار الندوہ) میں منظور کرکے جو آئین بنایاہے، اس کی برائی نہ کی جائے[26]۔ آپ اپنی انفرادی عبادت کرتے رہیے لیکن ہمارے دین و نظام کو کفر نہ کہیے۔ کیونکہ ہمارا دین ہی اللہ کا دین ہے۔[27] یہ بات بھی نہ کیجیے کہ اللہ کے علاوہ قانون سازی کا حق کسی کو نہیں، اس حق کو ہمارے معبودوں کے لیے بھی تسلیم کیا جائے۔ خواہ کفری آئین کو اسلامی ثابت کرنے کی تاویل ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ کیا قریش کے سردار اس قدر بے وقوف تھے جو اللہ کے رسول ﷺ سے ایسا مطالبہ کر رہے تھے؟ اور کیا اس میں ان کا کوئی نقصان نہیں تھا کہ جب وہ ایک سال محمد ﷺ کے رب کی عبادت کریں گے تو سارے جزیرۃ العرب میں موجود ان کے پیروکاروں پر اس کے کیا اثرات پڑیں گے؟

اگر ہم قریش کے مقتدر طبقے کی اس پیش کش کو سطحی نظر سے دیکھیں تو ایسا ہی لگتاہے کہ بغیر سوچے سمجھے وہ صرف نبی کریم ﷺ کی دعوت سے تنگ آکر ایسا کہہ رہے تھے۔ لیکن جو کوئی بھی توحید اور کفر کے مزاج

---

[26] وكفّ عن شتم آلهتنا، فلا تذكرها بسوء یعنی ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے اور ان کی برائی کرنے سے باز آجایئے۔(تفسیرِ طبری)

[27] افتخر المشركون بأديانهم فقال كلُّ فريقٍ: لا دين إلاَّ ديننا وهو دين الله۔ 'مشرکین اپنے ادیان پر فخر کیا کرتے تھے اور ہر فریق یہ کہتا کہ اصل دین تو ہمارا دین ہے، اور یہی اللہ کا دین ہے۔ فنزلت هذه الآية وكذَّبهم الله تعالى فقال: {إنَّ الدين عند الله الإسلام} الذي جاء به محمد عليه السلام (تفسير الوجيز للواحدي (ص: 202))

سے شناسائی رکھتا ہے، خصوصاً بت پرستی کے مذہب سے وہ اس پیش کش کی گہرائی کو سمجھ سکتا ہے۔[28]

قریش کے دانشور و جہاندیدہ جانتے تھے کہ ایک بار کوئی ان کے کسی بت کی حیثیت کو تسلیم کرلے تو پھر اس کے لیے اپنے عقیدے کا وجود باقی رکھنا ناممکن ہو جائے گا، بالآخر ایک دن وہ بھی بت پرستی ہی کو اختیار کر بیٹھے گا۔

بت پرستی کیسا مذہب ہے، اس کا اندازہ آپ ہندوستان کے ہندوازم کی تاریخ پڑھ کر لگا سکتے ہیں۔ ہندو مذہب کس طرح کتنی ہی تہذیبوں اور مذاہب وعقائد کو نگل گیا کہ آج ان کا وجود بھی باقی نہیں رہا۔ عیسائیت کو شرک کی دلدل میں پھنسانے والے اصل میں بت پرست ہی تھے۔

بت پرستی ایسا مذہب ہے جس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں[29]، بلکہ یہ سو فیصد سیکولر یعنی خواہشات کی بنیاد پر قائم مذہب ہے۔ مقتدر طبقے (عرب میں کفارِ قریش تھے، ہند میں برہمن) کی جو خواہشات ہوئیں، اسی کو معبود کا درجہ دے دیا۔ چونکہ روکنے والی کوئی بنیاد تو ہے نہیں... برخلاف کسی بھی آسمانی مذہب کے... اس میں جو کوئی بھی طاقتور، نفع بخش یا نقصان دہ یا عقیدت و محبت والا آجائے، یہ اسے اپنا قرار دے کر اسے اپنا حصہ بنالیتا ہے اور اسی کی پوجا شروع کر دیتا ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ ہندوازم کے ملأ القوم (یعنی برہمن) کا اسلام قبول کرنے کا تناسب دیگر قوموں کے مقابلے بہت کم ہے، کیونکہ آپ ان کو جتنی بھی دلیلیں دیتے ہیں وہ اسے مان بھی لیں تو حق میں داخل ہونے کے بجائے اس حق کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ خود اس مذہب کا بننے کے بجائے اسے اپنا بنا کر اسے ہندوازم میں اس طرح ضم کر لیتے ہیں کہ اس کے وجود کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ مثلاً اگر آپ انھیں اللہ تعالیٰ

---

[28] البتہ جیسا کہ مفسرین کرام نے فرمایا کہ کفارِ مکہ کو دینِ اسلام کے مزاج سے جہالت ضرور تھی کہ وہ اسلام کے بارے میں جہالت کا شکار تھے کہ اللہ کا دین ان کی اس وحدتِ ادیان کی پیش کش کو قبول کرلے گا۔ مفسرین نے اسی کو ان کی جہالت قرار دیا ہے۔ ہند کے برہمن بھی اسلام کے بارے میں اسی جہالت کا شکار ہوئے کہ جس طرح انھوں نے ہندوستان کے دیگر مذاہب کو اپنے اندر ضم کرکے ان کا وجود مٹا دیا، اسلام کے ساتھ بھی وہ اسی طرح کرلیں گے۔ اس کے لیے انھوں نے مسلمانوں کے اندر مختلف دعوتی تحریکیں چلائیں۔

[29] گاندھی نے اپنی کتاب 'ہندو دھرم' میں بڑے فخر سے اس بات کو لکھا ہے۔

کی ذات کے بارے میں دلائل سے سمجھائیں گے تو وہ اسے سمجھ تو جائیں گے لیکن اسے اس انداز میں تسلیم کریں گے کہ ایک بت آپ کے اللہ کا بھی بنا کر اپنے مندر میں رکھ دیں گے...... چنانچہ یہ مشاہدہ ہے کہ اکثر برہمن حق کو قبول کرنے کے بعد بھی مسلمان نہیں ہو پاتے، الاماشاء اللہ۔

چنانچہ قریش کے بت پرستوں کی یہ پیش کش نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس پیش کش میں کفارِ مکہ کا فائدہ ہی فائدہ تھا۔ بھلا اس کے بعد اللہ کو ایک ماننے کی دعوت کس طرح دی جاسکتی تھی۔

اس میں آج ان لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے جو اسلام اور ہندوازم یا جمہوری نظام و دیگر مذاہب کے مابین اتحاد، باہمی افہام و تفہیم اور بقائے باہمی کے نام پر اسلام اور کفر کو جمع کر کے مسلمانوں کو کھلے کفر کی دعوت دے رہے ہیں۔

برصغیر کے علمائے حق ہر دور میں مسلمانوں کو اس طرح کی کفریہ پیش کشوں سے باخبر کرتے رہے ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ 'دینِ حق اور علمائے ربانی' میں فرماتے ہیں:

"انبیائے کرام کفر کی پوری بیخ کنی کرتے ہیں، وہ کفر کے ساتھ رواداری اور مصلحت کے روادار نہیں ہوتے، کفر کے پہچان لینے کا بھی ان کو بڑا ملکہ ہوتا ہے، اور اس بارے میں ان کی نگاہ بڑی دور رس اور باریک بیں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس بارے میں پوری حکمت اور عزیمت عطا فرماتا ہے، ان کی خداداد فراست اور بصیرت پر اعتماد کیے بغیر چارہ نہیں، دین کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ کفر و اسلام کی جو سرحدیں انھوں نے قائم کر دی ہیں، اور ان کے جو نشانات انھوں نے مقرر کر دیے ہیں ان کی حفاظت کی جائے، اس میں ادنیٰ تساہل اور رواداری دین کو اتنا مسخ کر کے رکھ دیتی ہے جتنا یہودیت، عیسائیت اور ہندوستان کے مذاہب مسخ ہو گئے۔"[30]

علمائے حق کے بارے میں لکھتے ہیں:

[30] دینِ حق اور علمائے ربانی؛ ص ۲۸

''انبیاء کے صحیح جانشین بھی اس بارے میں انہی کی فراست و عزیمت رکھتے ہیں، وہ کفر کا ایک ایک نشان مٹاتے ہیں، اور جاہلیت کا ایک ایک داغ دھوتے ہیں، کفر کا ادراک کرنے میں ان کی حس عوام سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، کفر جس لباس میں اور جس صورت میں ظاہر ہو وہ اس کو پہچان لیتے ہیں اوراس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں، کہیں ہندوستان جیسے ملک میں بیواؤں کے نکاحِ ثانی کو حرام سمجھنے اور اس سے شدید نفرت رکھنے میں انھیں کفر کی بو محسوس ہوتی ہے، اور وہ اس کو رواج دینے اور اس سنت کو زندہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اور بعض اوقات اسی پر جان کی بازی لگا دیتے ہیں، کہیں قانونِ شریعت پر رواج کو ترجیح دینا اور بہنوں کو میراث نہ دینے پر اصرار کرنا انھیں کفر معلوم ہوتا ہے اور وہ ایسے لوگوں کی مخالفت اور مقاطعہ فرض سمجھتے ہیں، کبھی **اللہ اور رسول کا صاف و صریح حکم سن لینے کے بعد اس کو نہ ماننا اور غیر الٰہی عدالت اور غیر الٰہی قانون کے دامن میں پناہ لینا اور غیر اسلامی قوانین و احکام نافذ کرنا، انھیں اسلام سے خروج کے مرادف معلوم ہوتا ہے، اوروہ مجبوری کے عالم میں وہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں،** کبھی کسی نو مسلم کے یا کسی ایسے مسلمانوں کے جو غیر مسلموں کی صحبت میں رہتے ہوں، اور ان سے متاثر ہوں ایسا ذبیحہ استعمال کرنے سے احتراز کرنے میں اور اس سے نفرت کرنے میں جس سے ان کی ہمسایہ قوم اور ابنائے وطن سختی سے مجتنب رہتے ہیں، اوران میں اس کی نفرت اور اس سے وحشت عام ہے، انھیں ایمان کی کمزوری اور ان کے قدیم مذہب یا غیر مسلموں کی صحبت کا اثر نظر آتا ہے''۔[31]

ہر دور میں ایسے اللہ والوں اور عزیمت کا راستہ اختیار کرنے والوں کے خلاف زبانیں چلتی رہی ہیں...... زہر آلود تیر و نشتروں سے انہی کے دل چھلنی کیے جاتے رہے ہیں، ان پر نقد و تنقید اور رد و کد کرنے کے عوض ہوس پرستوں کو اعلیٰ حکومتی مناصب یا گھٹیا دنیا کا گھٹیا مال و متاع دیا جاتا رہا ہے جسے حاصل کر کے وہ اپنے پیٹوں کو جہنم کی آگ سے بھرتے رہے ہیں۔

[31] دینِ حق اور علمائے ربانی؛ ص ۲۸۔۲۹

اس بارے میں فرماتے ہیں:

"ان کے زمانہ کے کوتاہ نظر یارند مشرب و صلح کل جو دیر و حرم، کعبہ و بت میں فرق کرنا ہی کفر سمجھتے ہیں، ان کی تضحیک کرتے ہیں اور تحقیر کے ساتھ انھیں فقیہ شہر، محتسب، واعظِ تنگ نظر اور خدائی فوجدار کا لقب دیتے ہیں، لیکن وہ اپنا کام پورے اطمینان و استقلال کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ پیغمبروں کے دین کی حفاظت، زمانے میں انھیں لوگوں نے کی ہے اور آج اسلام یہودیت وعیسائیت اور برہمنیت سے ممتاز شکل میں جو نظر آتا ہے، وہ انھیں کی ہمت و استقامت اور تفقہ کا نتیجہ ہے"۔

یہاں کفر اور ہندوازم کی طبیعت و تاثیر بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اسے سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا آسان ہے کہ سیکولر نظامِ حکومت جس کا اصل چہرہ مشرقی و مغربی جمہوریت میں نظر آتا ہے، یہ بھی طبیعت و تاثیر کے اعتبار سے ہندوازم ہی کی طرح ہے۔

جیسا کہ ہر سمجھدار انسان جانتا ہے کہ سیکولرزم یا جمہوریت در اصل خواہشات پر قائم ایک دین (نظام) ہے، جس میں مقتدر طبقے کی خواہشات ہی کو اس کا دین، اس کا معبود اور اس کی شریعت (آئین) بنادیا جاتا ہے۔ حلال و حرام کا اختیار اسی طبقے کے ہاتھ میں ہوتا ہے، جس کی اتباع کرنا ہر شہری کے لیے فرض قرار دیا جاتا ہے۔

البتہ مقتدر طبقے کی خواہشات کو پروان چڑھانے کے لیے اسے عوامی رائے اور عوامی خواہش کا نام دے دیا جاتا ہے۔ ہندوازم کی طرح جمہوریت کی دیوی کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کو ماننے والے یہودی ہیں یا عیسائی، بودھ ہیں یا مسلمان۔ یہ اپنے مخاطب سے صرف ایک مطالبہ کرتی ہے کہ آپ اپنے اپنے دین پر قائم رہیے، مجھے صرف ایک اختیار چاہیے؛ وہ ہے 'امر' یعنی قانون سازی کا اختیار۔ آئین سازی (عوامی شریعت بنانے) کا اختیار، انسان کے لیے نظامِ زندگی اور طرزِ زندگی لازم کرنے کا اختیار جس کے ذریعہ میں جس چیز کو چاہوں انسانوں پر فرض کر دوں اور جسے چاہوں حرام (غیر قانونی) قرار دے دوں۔

چنانچہ جس طرح مکہ کے بت پرست خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ پیش کش کر رہے تھے کہ آپ اپنے دین پر

رہیے لیکن ہمارے بعض بتوں کے حق کو تسلیم کر لیجیے، یا کچھ ہم آپ کی مان لیتے ہیں کچھ آپ ہماری مان لیجیے، جمہوریت بھی اتنا ہی مطالبہ ہر شہری سے کر رہی ہے۔

جو مان لے اس کے ساتھ کوئی جنگ نہیں وہ معزز شہری ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا مرتد و بدترین زندیق... اس دیوی کی نظر میں سب کا دین برابر ہے۔ لیکن جو نہ مانے وہ 'دہشت گرد' اور 'ریاست کی دیوی' کا 'باغی' ہے۔

سو ریاستِ مکہ کے مقتدر طبقے نے بھی نبی کریم ﷺ کو اس طرح کی پیش کش کی۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ شریعت ناپسند کرنے والوں کو اس جواب سے مایوس کر دیا، کہ کچھ اسلام اور کچھ کفر کا ملغوبہ ہرگز اسلام نہیں ہو سکتا۔ یہ چوں چوں کا مربہ کفر ہی کہلائے گا۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ 'اعلاء السنن' میں فرماتے ہیں:

قلت: وأما محاربة الرعية المسلمة ملكها الكافر بالمقاطعة الجوعية أو المظاهرة العامة فليس لها أصل فى الشرع لم يستعملها أسلافنا المقيمون بدار الحرب مع ملكها قط، وإنما أخذها أبناء زماننا من أوربا ويجوز استعمال ما سوى الأول بعد النبذ إليهم على سواء إذا كنا نرجو الشوكة عليهم بذلك، وكان المقصود إعلاء كلمة الله والدعا إلى الدين، دون إحرار الوطن وإقامة السلطنة الجمهورية المركبة من أعضاء بعضهم مسلمون وبعضهم كفرة مشركون، فإن بذل الجهد لذلك ليس من الجهاد في شيء لخلوه عن غرضه الأصلي وهو إعلاء كلمة الله والدعا إلى الدين القويم۔ والسلطنة المركبة من الأعضاء المسلمين والكافرين لا يكون سلطنة إسلامية قط، وإنما هي سلطنة الكفر لا سيما إذا كانت الكثرة لهم لا لنا، فإن المركب من الخسيس والشريف خسيس ومن الطيب والخبيث خبيث۔[32]

"میں کہتا ہوں کہ ایسی مسلم عوام جن پر کافر حکمران ہوں... ان کا بھوک ہڑتال کرنا یا عوامی

[32] إعلاء السنن مع تعليق المفتي تقي العثماني؛ باب نصب المجانيق، ص: 3944 ،إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي

مظاہرے کرنا، شریعت میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ دار الحرب میں مقیم ہمارے اسلاف نے اپنے کافر حاکم کے سامنے ایسا کبھی نہیں کیا۔ ہمارے زمانے کے لوگوں نے اس کو یورپ سے لیا ہے اور... بھوک ہڑتال کے سوا... عوامی مظاہرے اس صورت میں جائز ہیں کہ کافروں سے کیا گیا معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا جائے اوران مظاہروں کے ذریعہ ان کفار پر غلبے کی امید ہو، اور اس کا مقصد اللہ کے کلمے کی سربلندی اور ان کفار کو دین کی طرف دعوت ہو، نہ کہ محض وطن کی آزادی اور ایک ایسی جمہوری ریاست کا قیام ہو... جس میں بعض مسلمان اور بعض کفار اراکین شامل ہوں۔ کیونکہ اس کے لیے کوشش کرنا جہاد نہیں کہلائے گا، اس کے اصلی مقصد یعنی اعلاء کلمۃ اللہ اور دین مبین کی جانب دعوت سے خالی ہونے کی وجہ سے۔

اور ایسی حکومت جو مسلمان اراکین پارلیمان اور کافروں سے بنی ہو، کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی، اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ یہ تو کفر ہی کی سلطنت ہو گی... خصوصاً جبکہ کثرت بھی کافروں کی ہی ہو، کیونکہ ذلیل و کمین اور شریف چیز کا مرکب تو کمین ہی کہلائے گا اور پاک و ناپاک کا مرکب تو ناپاک ہی ہوتا ہے"۔

علامہ ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ 'دینِ حق اور علمائے ربانی' میں فرماتے ہیں:

"شرک ایک مستقل دین اور ایک مکمل حکومت ہے، اس کا اور دین اللہ کا کسی ایک جسم یا دل و دماغ یا خطہ زمین پر ایک ساتھ قائم ہونا ناممکن ہے، یہ غیر الٰہی دین جسم و نفس، اور جسم و نفس سے خارج اتنی ہی جگہ گھیرتا ہے جتنی دین اللہ کو کم سے کم درکار ہے"۔[33]

اسی صفحہ پر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

"اس لیے جب تک زمین سے شرک کی تمام جڑیں اور اس کی باریک سے باریک رگیں بھی اکھاڑ نہ دی جائیں اس وقت تک دین اللہ کا پودا اگ نہیں سکتا۔ اس لیے کہ یہ پودا کسی ایسی زمین میں جڑ نہیں

[33] دینِ حق اور علمائے ربانی، ص ۱۶

پکڑتا جس کی مٹی میں کسی اور درخت کی کوئی جڑ ہو، یا کوئی اور تخم ہو۔ اس کی شاخیں اسی وقت آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور یہ درخت اسی وقت پھلتا پھولتا ہے جب اس کی جڑ گہری اور مضبوط ہو"۔[34]

اگلے صفحہ پر فرماتے ہیں:

"پس جو لوگ دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں وہ اس کو کسی جگہ پر قائم کرنے کے لیے زمین کو پورے طور پر صاف اور ہموار کرتے ہیں، وہ شرک اور جاہلیت کی رگیں چن چن کر نکالتے ہیں اور ان کا ایک ایک بیج بُن اکھاڑ کر پھینکتے ہیں اور مٹی کو بالکل الٹ پلٹ دیتے ہیں... چاہے انھیں اس کام میں کتنی ہی دیر لگے اور کیسی ہی زحمت اٹھانی پڑے"۔[35]

آگے کفر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کفر: یعنی اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا انکار، یہ انکار اس کی حکومت سے بغاوت، اور اس کے احکام سے سر تابی خواہ کسی طریقے اور علامات سے ظاہر ہو۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی حکم کو بھی... یہ جان لینے کے بعد کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے... نہیں مانتے، یا زبان سے انکار نہیں کرتے مگر جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خواہ دوسرے احکام کی پابندی کرتے ہوں، اس دائرہ (کفر) سے خارج نہیں۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

﴿ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّونَ إِلٰى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴾ [البقرة:85]

'کتابِ الٰہی کے ایک حصہ کو مانتے ہو دوسرے حصے کو نہیں مانتے، تو اس کی کیا سزا ہے جو تم میں سے یہ

---

[34] ایضاً، ص١٦

[35] ایضاً، ص١٧

کام کرتا ہے، سوائے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے، اور قیامت کے دن وہ پہنچائے جائیں سخت سے سخت عذاب میں، اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں'۔

صرف اللہ کی خداوندی اور حاکمیت کے اقرار سے طبعی طور پر خداوندی اور حاکمیت کے دعویداروں کی خداوندی اور حاکمیت کا انکار ہو جاتا ہے۔ لیکن جو اشخاص خداوندانِ باطل کی خداوندی اور حاکمیت کا صاف صاف انکار کرنے پر تیار نہیں ہوتے، یا دوسرے الفاظ میں انھوں نے اس قبلے کی طرف منہ تو کر لیا ہے لیکن دوسرے قبلوں کے طرف ان سے پیٹھ بھی نہیں کی جاتی، دینِ الٰہی کے مقابلے میں جو نظامِ حاکمیت قائم اور شریعت الٰہی کے مقابلے میں جو قوانین نافذ ہیں، ان سے منحرف نہیں ہوا جاتا، وہ کبھی کبھی ان پر بھی عمل کر لیتے ہیں اور بوقتِ ضرورت ان پر عمل کر لیتے ہیں، وہ در حقیقت اسلام میں داخل نہیں ہوئے، ایمان باللہ کے لیے کفر بالطاغوت ضروری ہے۔"

آگے فرماتے ہیں:

"اس لیے قرآن نے ایسے اشخاص کا دعویٰ ایمان تسلیم نہیں کیا جو غیر الٰہی قوانین، ان کے نمائندوں اور ان کے مرکزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انھیں اپنا حکم اور ثالث مانتے ہیں۔

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ اٰمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ [النساء: 60]

'تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا، چاہتے ہیں کہ مقدمہ لے جائیں سرکش کی طرف حالانکہ انھیں حکم ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں بہکا کر دور لے جائے"۔

مفتی مختار الدین شاہ صاحب اپنی کتاب 'اسلامی عقائد و نظریات' میں صفحہ ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

"مخالف قوانین اور غیر اللہ کی بندگی سے بیزاری:

اس عظیم کلمہ میں اس بات کا عہد و پیمان اور اقرار بھی موجود ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بندگی

نہیں کریں گے اور جو قانون اور جو حکم اور بات اللہ تعالیٰ کے قانون اور حکم کے خلاف ہو یا اس کے رسول ﷺ کے ثابت شدہ طریقے سے متصادم ہو، اس کا انکار کریں گے"۔

صفحہ ۱۲ پر سورۂ نساء کی آیت ۶۰ کے ترجمہ میں بین القوسین فرماتے ہیں:

"کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے لیے لازم ہے کہ طاغوت کا انکار کیا جائے اور بغیر اس کے انکار کے نہ ایمان معتبر ہے اور نہ خالص بندگی ممکن ہے لیکن یہ کمزور اور ڈانواں ڈول لوگ ان دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ ایک شیطانی چال ہے۔"

اس کے بعد اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

"ان آیتوں سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے لیے لازمی ہے کہ طاغوت یعنی دینِ اسلام کے خلاف قوانین کا انکار کیا جائے"۔

خلاصہ إلا الذین اٰمنوا

﴿إلا الذين اٰمنوا﴾ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان وہی معتبر ہو گا جس میں اللہ کے غیر سے برأت و انکار ہو گا، اس کے بغیر ایمان معتبر نہیں۔ چنانچہ اس خسارے سے وہ انسان بچ سکتا ہے جو اللہ کے علاوہ دورِ حاضر کے تمام معبودوں کا انکار کرے، اسلام کے علاوہ ہر دین و نظام کا انکار کرے، ان تمام قوتوں، طاقتوں اور اداروں سے برأت کرے جنھیں حرام و حلال اور تشریع (قانون سازی) کا حق دیا گیا ہے اور جو نظام محمد ﷺ کو دے کر بھیجا گیا، صرف اسی پر ایمان رکھے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ کے لازم کردہ تمام فرائض ادا کرتے رہے، اور اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیوں سے بچتے رہے۔[36]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اشتروا الآخرة بالدنيا واختاروا رضى المولىٰ على مطالبة النفس والهوىٰ۔[37]

یعنی اعمالِ صالحہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا وار کر آخرت کو خرید لیا جائے، نفس و خواہشات کے مقابلے اللہ کی رضا کو اختیار کر لیا جائے۔

قادیانی اثرات سے پہلے اگرچہ اس بات کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ جہاد بھی اعمالِ صالحہ میں شامل ہے، بلکہ اسلام کا ایک اہم محکم فریضہ ہے، جو عام حالات یعنی دنیا بھر میں مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو کے محفوظ ہونے کی صورت میں فرضِ کفایہ ہے اور دنیا میں کہیں بھی مسلمان کی جان و مال یا عزت و آبرو خطرے میں ہونے کی صورت میں بتدریج فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ **نیز کوئی بھی خطہ جہاں چند گھڑی بھی شریعت نافذ رہی اور پھر اس جگہ سے شریعت کو ختم کر دیا گیا تو اس جگہ دوبارہ شریعت نافذ کرنے کے لیے جہاد کرنا فرضِ عین ہے۔**

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کسی فرض کو چھوڑنا 'گناہِ کبیرہ' اور بغیر کسی شرعی عذر کے چھوڑنے والا 'فاسق' ہے۔

چنانچہ جہاد سمیت وہ تمام اعمال جنھیں اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنے کا حکم فرمایا اور جن سے

---

[36] دیکھیے: تفسیرِ طبری، سورۂ عصر

[37] تفسیر أنوار القرآن وأسرار الفرقان؛ سورۂ عصر

رکنے کا حکم فرمایا، وہ سب اعمالِ صالحہ میں شامل ہیں۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ

اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو قرآن اور ایمان و توحید کی تلقین کرتے رہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فَالتَّوَاصِي بِالْحَقِّ يَدْخُلُ فِيهِ سَائِرُ الدِّينِ مِنْ عِلْمٍ وَعَمَلٍ۔[38]

"تواصی بالحق (ایک دوسرے کو حق کی تلقین) میں تمام دین داخل ہے، یعنی علم و عمل"۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: الحق سے مراد قرآن ہے، جبکہ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حق سے مراد ایمان و توحید ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

(مسئلة:) الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجب، من ترك كان من الخاسرين۔[39]

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے، جس نے اس کو چھوڑا وہ خسارے والوں میں سے ہوگا"۔

چنانچہ ﴿وتواصوا بالحق﴾ کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن کے تمام احکامات و قوانین پر مکمل عمل کرنے کی تلقین کیے بغیر مکمل خسارے سے نہیں بچا جا سکتا۔ کیونکہ کسی معاشرے میں اگر کوئی اچھائی انفرادی سطح پر کی جائے، دوسروں کو اس کی تلقین نہ کی جائے تو یہ اچھائی عام نہیں ہو پاتی بلکہ ایک وقت آتا ہے کہ یہ نیک عمل کرنے والا بھی اسے چھوڑ بیٹھتا ہے اور یہ بھی اسی ماحول کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ نیک عمل کرنا اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا انسان کو اس عمل پر ثابت قدمی بھی عطا کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس

[38] التفسير الكبير (32/ 281)

[39] تفسير المظهري (10/ 337)

پر لانے کا سبب بنتا ہے۔ تواصوا بالحق کی اس محنت کی بدولت معاشرے کا اکثر حصہ اس نیک عمل کو کرنا شروع کر دیتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی خود برائی سے بچتا ہے لیکن معاشرے کو اس میں ڈوبا دیکھ کر دوسروں کو اس سے بچنے کی تلقین نہیں کرتا، ایک وقت آتا ہے کہ اس برائی کی نفرت اس کے دل سے جاتی رہتی ہے اور اس کا حال بھی دوسروں کی طرح ہو جاتا ہے۔

چنانچہ معاشرے میں تواصوا بالحق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بند ہو جانا قرآن کی نظر میں سخت ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔

قرآن نے کئی جگہ اس رویے کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ [المائدة: 79]

''یہ لوگ ایک دوسرے کو ان کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے، بہت ہی برا تھا جو وہ کرتے تھے''۔

یہ بنی اسرائیل کا حال تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی زبانی لعنت فرمائی اور بندر اور خنزیر بنا دیا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ، فَيَقُولُ: يَا هَذَا، اتَّقِ اللَّهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ، فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَكَ، ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ، فَلَا يَمْنَعُهُ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ أَكِيلَهُ وَشَرِيبَهُ وَقَعِيدَهُ، فَلَمَّا فَعَلُوا ذَلِكَ ضَرَبَ اللَّهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ"، ثُمَّ قَالَ: {لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ} إِلَى قَوْلِهِ {فَاسِقُونَ} [المائدة: 81]، ثُمَّ قَالَ: «كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدَيِ الظَّالِمِ، وَلَتَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا، وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا۔[40]

وزَادَ في رواية: 'أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللَّهُ بِقُلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ'۔

---

[40] سنن أبي داود (4/ 121)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بنی اسرائیل میں جو پہلی خرابی پیدا ہوئی، وہ یہ تھی کہ ایک آدمی دوسرے سے ملتا تو کہتا اے فلاں! اللہ سے ڈر اور جو گناہ تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے، یہ تیرے لیے جائز نہیں ہے، لیکن اگلے دن جب یہ اس سے ملتا تو اس کا گناہ اسے اس کے ساتھ کھانے پینے اور نشست وبرخاست سے نہ روکتا، سو جب انھوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے ملا (کر سیاہ کر) دیا"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی آیت تلاوت فرمائی: [بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے کفر کیا، ان پر داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی لعنت کی گئی]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے [فاسقون] تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا: "ہر گز نہیں! اللہ کی قسم! تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر حال میں کرو گے، اور ظالم کا ہاتھ ضرور پکڑو گے، اور اس کو حق کی طرف مائل کرو گے، اور تم اسے حق پر روکے رکھو گے جیسا کہ حق پر روکنے کا حق ہے"۔

دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے: "اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے خلط ملط کر (کے ایک سا سیاہ کر) دے گا، پھر وہ ضرور تم پر بھی لعنت کرے گا جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل پر لعنت کی"۔

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَوْحَى الله عَزَّ وَجَلَّ إِلَى جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنِ اقْلِبْ مَدِينَةَ كَذَا وَكَذَا بِأَهْلِهَا، قَالَ: فَقَالَ: يَا رَبِّ إِنَّ فِيهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ، قَالَ: فَقَالَ: اقْلِبْهَا عَلَيْهِمْ، فَإِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ۔[41]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اس کے باشندوں سمیت پلٹ دو۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یارب! اس بستی میں آپ کا فلاں بندہ رہتا ہے جس نے پلک جھپکنے کی مقدار بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اس سمیت) ان سب پر بستی کو الٹ دو، کیونکہ اس کا چہرہ میری وجہ سے کبھی متغیر نہیں

[41] شعب الإيمان (10/ 74) باب أَحَادِيث فِي وُجُوبِ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

ہوا"۔

یعنی اس بستی میں میری نافرمانی ہوتی رہی اور میری محبت میں اس کے چہرے پر بھی اس کی ناگواری کے اثرات نہیں پیدا ہوئے۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: قَرَأَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ هَذِهِ الْآيَةَ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ} [المائدة: 105] قَالَ: إِنَّ النَّاسَ يَضَعُونَ هَذِهِ الْآيَةَ عَلَى غَيْرِ مَوْضِعِهَا أَلَا وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوَا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْ قَالَ المنكر فلم يغيروه عمهم الله بعقابه"۔[42]

حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: [اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر ہو گے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، اس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو۔]

پھر فرمایا: "لوگ اس آیت کو غیر محل میں استعمال کرتے ہیں، خبر دار! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ روکیں یا فرمایا منکر کو دیکھیں اور اسے نہ روکیں تو اللہ انھیں عمومی عذاب میں مبتلا کر دے گا"۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ خَطِيبًا، فَكَانَ فِيمَا قَالَ: "أَلَا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَهُ" قَالَ: فَبَكَى أَبُو سَعِيدٍ، وَقَالَ: "قَدْ وَاللّٰهِ رَأَيْنَا أَشْيَاءَ فَهِبْنَا"۔[43]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے

---

[42] صحيح ابن حبان (1/ 539)

[43] جامع الترمذي؛ أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما أخبر النبي أصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة

ہوئے، اور اس میں فرمایا: "خبردار! کسی کو لوگوں کی ہیبت حق کہنے سے نہ روک دے"۔ یہ سن کر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: "واللہ! ہم نے غلط چیزیں دیکھیں اور ہم ہیبت سے رک گئے"۔

ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

فَإِنَّهُ لَا يُقَرِّبُ مِنْ أَجَلٍ، وَلَا يُبَاعِدُ مِنْ رِزْقٍ أَنْ يَقُولَ بِحَقٍّ أَوْ يُذَكِّرَ بِعَظِيمٍ۔[44]

"کیونکہ حق گوئی اور کسی بڑے آدمی کو تذکیر کرنا موت کو قریب نہیں کردے گا اور رزق سے دور نہیں کردے گا"۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُسَلِّطَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ شِرَارَكُمْ، فَلَيَسُومُنَّكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ، ثُمَّ يَدْعُو خِيَارُكُمْ فَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ، لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيَبْعَثَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ مَنْ لَا يَرْحَمُ صَغِيرَكُمْ، وَلَا يُوَقِّرُ كَبِيرَكُمْ"۔[45]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم ضرور نیکیوں کا حکم کرو اور برائیوں سے ضرور روکتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر تمہارے بدترین لوگوں کو مسلط کردے گا، سو وہ تمہیں دردناک عذاب دیں گے، پھر تمہارے بہترین لوگ دعائیں کریں گے لیکن ان کی دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔ تم ضرور نیکیوں کا حکم کرو اور برائیوں سے ضرور روکتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ایسے لوگ بھیجے گا جو تمہارے چھوٹوں پر رحم نہیں کریں گے اور تمہارے بڑوں کی عزت نہیں کریں گے"۔

وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: "مَنْ تَرَكَ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ مِنْ مَخَافَةِ الْمَخْلُوقِينَ

---

[44] مسند الإمام أحمد (3 / 50 ، 87)

[45] الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لابن أبي الدنيا؛ ص: 49

نُزِعَتْ مِنْهُ هَيْبَةُ الطَّاعَةِ، فَلَوْ أَمَرَ وَلَدَهُ أَوْ بَعْضَ مَوَالِيهِ لَاسْتَخَفَّ بِهِ"۔[46]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا: "جس نے مخلوق کے خوف سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اس کی ہیبت کو ختم فرمادے گا، سو اگر اپنے بیٹے یا کسی غلام کو بھی حکم دے گا تو وہ اس کو بے وقعت سمجھیں گے"۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنْ لَمْ نَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَلَمْ نَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، حَتَّى لَا نَدَعُ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ إِلَّا عَمِلْنَا بِهِ، وَلَا شَيْئًا مِنَ الْمُنْكَرِ إِلَّا تَرَكْنَاهُ، لَا نَأْمُرُ بِمَعْرُوفٍ وَلَا نَنْهَى عَنْ مُنْكَرٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَإِنْ لَمْ تَعْمَلُوا بِهِ كُلِّهِ، وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَإِنْ لَمْ تَنَاهَوْا عَنْهُ كُلِّهِ"۔[47]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم اس وقت تک نیکیوں کا حکم (دوسروں کو) نہ کریں جب تک ہر نیکی پر خود عمل نہ کرنے لگیں اور اس وقت تک کسی کو برائی سے نہ روکیں جب تک کہ ہر برائی کو خود چھوڑ نہ دیں؟ (تو) ہم نیکی کا حکم نہ دیں اور برائی سے نہ روکیں۔

اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیکیوں کا حکم کرو خواہ تم تمام نیکیوں پر عمل نہ کرتے ہو۔ اور برائیوں سے روکو اگرچہ خود تمام برائیوں سے نہ رکے ہو"۔

اس عمل کی اہمیت، اس کے فضائل اور اس کے چھوڑنے پر وعیدیں سنانے کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے کو خیر پر جمائے رکھنے اور برائیوں سے دور رکھنے کے لیے 'وتواصوا بالحق' کا عمل جاری رکھنا ضروری ہے۔ جس معاشرے میں یہ عمل جاری رہے گا وہ معاشرہ اعمالِ صالحہ پر قائم رہے گا، لیکن اگر صالح سے صالح معاشرہ بھی اس عمل کو چھوڑ بیٹھے گا تو دیکھتے ہی دیکھتے برائیاں اس معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی اور معاشرے کے اندر ان کا احساس تک ختم ہو جائے گا۔

---

[46] أيضًا؛ ص: 57

[47] أيضًا

اس عمل کی اہمیت کا اندازہ اس معاشرے اور ان نفوسِ قدسیہ کے عمل سے لگایا جاسکتا ہے جن کے درمیان یہ آیت نازل ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جب ایک دوسرے سے ملتے تو رخصت ہونے سے پہلے سورۂ عصر کو ایک دوسرے کے سامنے تلاوت کرتے تھے۔

علمائے حق اور 'وتواصوا بالحق'

یہ مذکورہ آیات واحادیث جو حق کہنے اور حق کو چھپانے کے بارے میں وارد ہوئیں، علمائے حق کی نیندیں اڑادینے کے لیے کافی ہیں، خصوصاً آج کے دور میں جبکہ ہر طرف صوتی وبصری بیانات کا سیلاب ہے، دین کے نام پر بھانت بھانت کی بولیاں بول کر حق کو باطل، باطل کو حق، کفر کو اسلام اور اسلام کو خارج از اسلام ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، مقتدر قوتیں اپنے پروردہ سرکاری مولویوں کے ذریعہ اپنی خواہشات کو اسلام ثابت کرنا چاہتی ہیں...... ایسے وقت میں علمائے حق پر یہ فرض ہے کہ دین کو اس کی اصل حالت پر باقی رکھیں، شرعی اصطلاحات، اس کے صحیح معنٰی ومفاہیم کی حفاظت کریں...... کفر واسلام کی سرحدوں کی حفاظت کریں...... خواہ اس کے لیے انھیں اپنے اسلاف کے طرز کو ہی اختیار کیوں نہ کرنا پڑے...... یعنی ریاست کے مقتدر طبقے کی ناراضگی، قید وبند، جلاوطنی اور پھانسیاں...... کہ یہی تو علمائے حق کی وراثت ہے...... اور وارثین وہی کہلاتے ہیں جو وراثت حاصل کرلیا کرتے ہیں۔

آپ کفری نظام کو دیکھیے کہ وہ تواصوا بالکفر والمنکرات (کفریات ومنکرات کی مسلسل تبلیغ) کتنی پابندی و تسلسل کے ساتھ کررہا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ دن رات ایک ہی محنت ہے۔ تاویلات و دجل کے ذریعہ، کفر واسلام کو ایسا گڈ مڈ کر دیا جائے، عامۃ المسلمین کیا خواص بھی حیران و سرگرداں رہ جائیں...... معاشرہ دیکھتے ہی دیکھتے ایسے منکرات میں مبتلا ہوتا چلا جارہا ہے جن کا چند سال پہلے تصور بھی نہیں تھا...... یہاں تک کہ دیندار طبقہ بھی کتنے ہی ایسے منکرات میں جاپڑا جن کا پہلے دیندار گھرانوں میں تصور بھی گناہ تھا...... اور المیہ تو یہ ہے کہ ان منکرات کے منکر ہونے کا احساس بھی دلوں سے نکلتا جارہا ہے۔

اسی طرح کسی معروف سے روکنے کی جب مہم چلائی جائے تو اس کے اثرات بھی معاشرے پر پڑتے ہیں

اور معاشرہ اس خیر کو خیر جاننے کے باوجود اس پر عمل سے رکنے لگتا ہے، پھر ایک وقت آتا ہے جب اس پر عمل کرنے میں اسے معاشرے کے سامنے عار محسوس ہونے لگتی ہے۔

آج کے جدید معاشرے کا اگر مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگ فطرتاً اتنے برے نہیں لیکن ماحول و معاشرہ کی وجہ سے وہ برا بننے پر مجبور ہیں یا برے تو نہیں لیکن خود کو معاشرے کا حصہ بنائے رکھنے کے لیے برا ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ 'تواصوا بالحق' کا عمل معاشرے کو بنانے و سنوارنے میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے، لہٰذا اگر داعیانِ دین اپنے بگڑتے معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے انھیں ہر پیمانے پر اس 'تواصوا بالحق' کے عمل کو تیز کرنا ہوگا بلکہ اسے اس کے اعلیٰ درجے (قہری دعوت) کے ساتھ مضبوط کرنے کی جانب بتدریج بڑھنا پڑے گا۔ جو جتنی قوت سے اس عمل کو کر سکتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ کر گذرے۔ اللہ کے اوامر کا حکم کرنے میں کسی سے نہ ڈرے اور اللہ کی منع کردہ چیزوں سے روکنے میں کسی کو خاطر میں نہ لائے...... یہ عمل انفرادی سطح پر بھی کیا جائے...... ایک خاندان، ایک محلے، ایک طبقے اور قبیلے و قوم کی سطح پر بھی کیا جائے...... جو جتنا اس میں سبقت لے جائے گا خسارے سے اتنا ہی بچ جائے گا اور منافع کی اتنی ہی مقدار لوٹ لے جائے گا...... کیونکہ ہر گذرتا لمحہ یا تو خسارے میں اضافہ کر رہا ہے یا منافع میں زیادتی کر رہا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

{وتواصوا بالصبر} على طاعة الله والجهاد في سبيله۔[48]

"اللہ کی اطاعت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ثابت قدمی کی تلقین کرتے رہے"۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالتَّوَاصِي بِالصَّبْرِ يَدْخُلُ فِيهِ حَمْلُ النَّفْسِ عَلَى مَشَقَّةِ التَّكْلِيفِ فِي الْقِيَامِ بِمَا يَجِبُ، وَفِي اجْتِنَابِهِمْ مَا يَحْرُمُ إِذِ الْإِقْدَامُ عَلَى الْمَكْرُوهِ، وَالْإِحْجَامُ عَنِ الْمُرَادِ كِلَاهُمَا شَاقٌّ شديد۔[49]

"واجبات کو ادا کرنے میں تکلیف کی مشقت پر نفس کو تیار کرنا بھی تواصوا بالصبر (ایک دوسرے کو ثابت قدمی کی تلقین میں) میں داخل ہے، اور حرام چیزوں سے اجتناب بھی۔ کیونکہ وہ عمل کرنا جو نفس کے لیے ناپسند ہو اور خواہشات کو چھوڑنا... دونوں ہی نفس پر سخت شاق ہوتے ہیں"۔

اسلامی بیداری کی تحریکوں کے لیے تواصوا بالحق کی گونج سے معاشرے میں ایک شور بپا کر دینا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہوتی...... حق کے نعروں سے دلوں کو گرما کر، نوجوانوں کے سینوں میں جذبات کی آگ بھڑکا دینا بھی کوئی انہونی نہیں سمجھی جاتی...... اس تحریک کا ایک اچھی تعداد کو اپنے ارد گرد جمع کر لینا بھی معمول کی بات ہوا کرتی ہے۔ تواصوا بالحق کی صداؤں سے گلی کوچے، بازار و چوپالیں اور عوام و خواص کی محفلیں سب گونجنے لگتی ہیں......

یہ سب ابتدائی مرحلہ میں ہوتا ہے۔

---

[48] الوجيز للواحدي (ص: 1231)

[49] تفسیرِ کبیر؛ سورۂ عصر

لیکن امتحان کا پہلا مرحلہ اس کے بعد شروع ہوتا ہے جب مقابل نظام حرکت میں آتا ہے...... اپنی سیادت وقیادت، حکومت وریاست، اپنے نظریے وعقیدے اور اپنے ہاتھوں سے تراشے اپنی خواہشات کے معبودوں کو بچانے کے لیے مقابل حریف طاقت کا استعمال شروع کرتا ہے۔

جب اقتدار کے نشے اور طاقت کے گھمنڈ میں ڈوبی اشرافیہ کے پاس دلائل ختم ہو جاتے ہیں، پھر ان کی دہلیزوں سے یہ آوازیں آنی شروع ہوتی ہیں:

﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا اٰلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِينَ﴾ [الأنبياء: 68]

''کہنے لگے: اس (ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام) کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم مدد کرنے والے ہو''۔

﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ﴾ [النمل: 56]

''سو ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ لوط (عَلَیْہِ السَّلَام) اور ان کی اولاد کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو، یہ بڑے پاک صاف بنتے ہیں''۔

اب امتحان شروع ہوتا ہے، تاکہ کھرے کھوٹے پرکھ لیے جائیں...... سچے اور جھوٹے الگ الگ کر دیئے جائیں...... دین کے راستے میں ابتلاء وآزمائشوں کے بارے میں یہ سمجھنا مناسب نہیں کہ ہر دور میں یہ صرف رخصت وعزیمت کا مسئلہ رہا ہے کہ جو کرلے بڑا عظیم اور جو نہ بھی کرے اس کے دین پر اس کا کوئی وبال نہیں...... بلکہ بسا اوقات امتحان وآزمائشوں کا یہ دور واجباتِ دین اور ضروریاتِ دین کا مسئلہ بنتا رہا ہے...... یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی سنت ہے جو اللہ نے پہلے سے جاری کر رکھی ہے۔

﴿الٓمٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴾ [العنكبوت: 1۔2]

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انھیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ: ہم ایمان لے آئے، اور انھیں آزمایا نہ جائے؟''

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ

الْكٰذِبِيْنَ﴾ [العنکبوت:3]

"حالانکہ ہم نے ان سب کی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ لہٰذا اللہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنھوں نے سچائی سے کام لیا ہے اور وہ یہ بھی معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں"۔

﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ [العنکبوت:11]

"اور اللہ تعالی ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ایمان لائے ہیں اور وہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ منافق ہیں"۔

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِينَ﴾ [آل عمران: 142]

"بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (یونہی) جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ انھیں جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں"۔

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ [البقرۃ:214]

"(مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے ان لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں، اور انھیں ہلا ڈالا گیا، یہاں تک کہ رسول اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اٹھے کہ 'اللہ کی مدد کب آئے گی؟' یاد رکھو! اللہ کی مدد نزدیک ہے"۔

سو حق کی صدا لگانے والوں میں اللہ کی یہ سنت جاری ہوتی ہے اور انھیں آزمائش کی بھٹیوں میں جھونکا جاتا

ہے۔ دشمن کے قید خانے اور پھانسی کے تختے ان کی ابتدائی تربیت گاہ بنتے ہیں...... حوادث و مصائب کے طوفان ان کی تجربہ گاہ ہوتے ہیں۔ ان حوادث و مصائب میں ان کے غم کا مداوا ایک اور نئے غم کے ذریعہ کیا جاتا ہے...... ﴿فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ﴾...... تاکہ ایک نئے غم کے ذریعہ پچھلے غم کے حزن و ملال پر تسلی ہو جائے...... یہ راہ ہی ایسی ہے جہاں زخم کا علاج ایک نئے زخم سے کیا جاتا ہے...... تاکہ زخمی زخمی دل کو کچھ قرار آجائے...... ﴿لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُم﴾ [آل عمران:153][50]

کیونکہ امتحان کی یہ سنت جاری ہے اور جاری رہے گی، اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے :

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ﴾ [محمد:31]

"اور ہم ضرور تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے، تاکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ تم میں سے کون ہیں جو مجاہد اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تاکہ تمہارے حالات کی جانچ پڑتال کرلیں"۔

یہ آیت ہر مسلمان اور خصوصاً ہر مجاہد کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے کہ عالم الغیب رب تاکید کے ساتھ اعلان فرما رہا ہے کہ مجاہد و غیر مجاہد کو ظاہر کرنے کے لیے اور ثابت قدم رہنے والے مجاہد اور اعلاء کلمۃ اللہ سے منہ موڑ جانے والے کو ظاہر کرنے کے لیے ہم ضرور تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے۔ ایسے حالات تمہارے اوپر لائیں گے کہ سب کچھ ظاہر ہو جائے کہ توحید کا اقرار کرنے کے بعد اس توحید پر کون پورا اترا...... اور جہاد میں آنے کے بعد کون اس جہاد پر ثابت قدم رہا...... یہاں تک اپنی جان اسی کلمہ توحید پر قربان کرکے کامیاب لوگوں میں شامل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انتہائی شفیق و مہربان ہیں۔ چنانچہ سورۂ محمد ہی میں طریقہ بھی بتا دیا کہ اس جانچ پڑتال میں خود کو کامیاب کرانے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا:

[50] ترجمہ آیت: "پس تمہیں غم کے بدلے غم دیا، تاکہ جو چیز تم سے کھو جائے، اس پر افسوس نہ کرو اور جو مصیبت تمہیں پہنچے اس پر دل شکستہ نہ ہو"۔

﴿وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ﴾ [محمد:4۔5]

''اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے، اللہ ان کے اعمال کو ہر گز اکارت نہیں کرے گا۔ انھیں اپنی رضا والے اعمال کی توفیق عطا فرمائے گا، اور ان کی حالت کو دنیا و آخرت میں درست فرمادے گا''۔

یعنی جو اسی کلمہ پر جان دے گئے اگر چہ وہ دشمن کے مقابلے جان ہار بیٹھے، لیکن ان کے اعمال، ان کی کوششیں، ان کا جہاد کرنا اور اس میں جان قربان کر جانا بے کار نہیں گیا... بلکہ کار آمد رہا۔ اصل آخرت کی زندگی جس پر یہ ایمان رکھتے تھے اللہ اس کو بنادے گا، اور ان کی منزل یعنی جنت میں انھیں پہنچادے گا۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرِ طبری میں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا﴾ میں ہمارے نزدیک راجح قرأت ﴿والذين قاتَلُوا﴾ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنھوں نے اللہ کے راستے میں قتال کیا، اللہ ہر گز ان کے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا، اور ان کی حالت کو دنیا و آخرت میں درست فرمادے گا۔

اس طرح اللہ کے راستے میں قتال کرنے والوں کا امتحان اور آسان کر دیا گیا کہ امتحان سے پہلے ہی بتادیا گیا کہ اس امتحان میں کامیاب ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

جو کلمہ زبان سے پڑھا اس کی سر بلندی کے لیے قتال کرنا، اور اسی پر ڈٹے رہنا یہاں تک کہ دو اچھائیوں ...شریعت یا شہادت... میں سے ایک اچھائی مل جائے۔

اللہ تعالیٰ وعدہ فرمارہے ہیں کہ اللہ ایسے لوگوں کو تین انعام عطا فرمائیں گے:

1. ﴿فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾: کوششوں کو ضائع نہیں کریں گے، خواہ جتنے لمبے عرصے بھی جہاد کرتے رہیں، اللہ ایک ایک قدم، ایک ایک لمحہ اور ہر ہر گھڑی کے بدلے اپنی ہمیشہ کی جنتیں عطا فرمائیں گے۔
2. ﴿سَيَهْدِيْهِمْ﴾: اور خود ان کی رہنمائی فرمائیں گے، تاکہ یہ راہِ حق پر اللہ کی مرضی کے مطابق جہاد کرتے رہیں۔ ہر مشکل وقت میں جب فتنوں کے جھکڑ چل رہے ہوں گے اور بڑے بڑے تناور

درخت جڑوں سے اکھڑتے ہوں گے، اللہ انھیں راہِ حق پر ثابت قدم رکھے گا۔

3. ﴿وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ﴾: اور دنیا و آخرت میں ان کی حالت کو درست رکھے گا۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ جہاد و مجاہدین کی حالت کی درستگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کا جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے، نبی کریم ﷺ کے بتائے طریقے کے مطابق ہو۔ اگرچہ فتح و شکست کسی کے بھی ہاتھ لگے، حتیٰ کہ سارے کے سارے مجاہدین شہید کر دیے جائیں، وہ کامیاب ہیں اگر اللہ کی رضا کے لیے اور نبی ﷺ کے طریقے پر ان کا جہاد تھا۔ لیکن اگر مجاہدین کو ظاہراً میدان میں فتوحات پہ فتوحات مل رہی ہوں، لیکن خود اپنے ہاتھوں سے وہ شریعت کی حدود پامال کر رہے ہوں، اعلائے کلمۃ اللہ کے بجائے وطنیت، قومیت، تنظیم پرستی یا کسی اور عصبیت کے لیے ان کا جہاد ہو تو یہ ان کی حالت کا اچھا ہونا نہیں، بلکہ یہ بدترین حالت ہے جس سے ہر مسلمان کو پناہ مانگنی چاہیے۔

امت کی حالت درست کرنے کے لیے ایک لطیف نکتہ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قتال کے عمل کا جاری رکھنا ہی اس امت کو ہر طرح کے فتنوں سے بچانے کا سبب ہے۔ قتال فی سبیل اللہ، اللہ کی رضا، اس کی جانب سے خاص رہنمائی اور مسلمانوں کی اجتماعی حالت کو درست رکھنے کا ذریعہ ہے۔ جب بھی یہ امت قتال کے عمل کو چھوڑ بیٹھے گی اس کی حالت ابتری کا شکار ہو جائے گی، یہ جیتی جتائی جنگ ہار جائے گی۔ قیادت اس کے ہاتھ سے نکل کر شریعت کے دشمنوں (کفار و مرتدین و منافقین) کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔

چنانچہ ایسا لگتا ہے کہ باطل قوتیں بھی اس راز سے واقف ہیں، اسی لیے وہ سب سے پہلی شرط یہ رکھتی ہیں کہ ہمارے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے جائیں، جنگ بندی کی جائے، اسلحہ رکھا جائے...... وہ جانتے ہیں کہ اس کے بعد مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانا زیادہ آسان ہے۔

ایک اشکال

جیسا کہ آپ نے بیان کیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ قتال کرنے والوں کے بارے میں وعدہ کر رہے ہیں کہ ان کی رہنمائی کرے گا اور ان کی حالت کو درست کر دے گا، تو پھر مجاہد یا جہادی جماعتیں راہِ حق سے منحرف کیوں ہو جاتی ہیں؟

اس کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی رہنمائی اور ان کی حالت کی درستگی کا جو وعدہ فرمایا وہ مشروط ہے؛ الذين قاتلوا في سبيل الله یعنی جنھوں نے اللہ کے راستے میں قتال کیا...... اور اللہ کی نظر میں قتال فی سبیل اللہ وہی معتبر ہو گا، جسے اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا:

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرَى مَكَانُهُ فَمَنْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ-[51]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کوئی آدمی غنیمت کے لیے قتال کرتا ہے، کوئی آدمی اپنی تعریف و شہرت کے لیے قتال کرتا ہے اور کوئی عزت وجاہ کے لیے قتال کرتا ہے تو اللہ کے راستے میں کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: "جو اس لیے قتال کرے کہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو (اللہ کی شریعت اللہ کی زمین پر نافذ ہو) وہ اللہ کے راستے میں ہے"۔

چنانچہ اگر کوئی مجاہد انفرادی سطح پر یا کوئی جہادی جماعت اجتماعی سطح پر راہِ حق سے انحراف کرنے لگے...... جہاد سے منہ موڑنے لگے...... یا اللہ کی ناراضگی والے کاموں میں لگ جائے، اور اس کی حالت خراب ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ الذين قاتلوا في سبيل الله یعنی قتال فی سبیل اللہ کے عمل میں کوئی ایسا کام ہو رہا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے...... مقصدِ جہاد تبدیل ہو گیا ہے، غلبہ دین اور اللہ کی رضا کی جگہ دنیاوی مفادات یا

[51] صحيح البخاري؛ باب مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا، صحيح مسلم؛ باب مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا

عصبیت نے لی ہے، جماعتی طور پر شریعت کی اتباع میں کوتاہی برتی جارہی ہے...... یا مجاہد سے انفرادی سطح پر اللہ کی ناراضگی والا عمل ہورہا ہے۔ کیونکہ مجاہد کے اعمال اس کے جہاد میں ثابت قدمی اور کمزوری کا سبب بنتے ہیں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إِنَّمَا تُقَاتِلُونَ بِأَعْمَالِكُمْ"۔

"تم اپنے اعمال کی بنیاد پر ہی قتال کرتے ہو"۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله: (إنما تقاتِلُون بأعمالِكُم) أي إنَّ الأعمالَ الصالحة تُورِث ثباتَ القَدَمِ عند القتال، فالقتالُ يكون بسبب بركةِ الأعمال، فهي دخيلةٌ فيه۔[52]

"یعنی اعمالِ صالحہ قتال کے وقت ثابت قدمی عطا کرتے ہیں، سو اعمالِ صالحہ کی برکت سے قتال ہوتا ہے چنانچہ اعمالِ صالحہ کا قتال میں دخل ہوتا ہے"۔

جس قدر توفیقِ الٰہی میں کمی اور مجاہدین کی حالت میں ابتری پیدا ہوگی[53] یہ پہچان ہوگی اس بات کی کہ اسی قدر قتال کے عمل میں یا انفرادی سطح پر کہیں خلافِ شرع یا خلافِ رضائے رب کام ہورہا ہے۔ یا اسے یوں کہہ لیجیے کہ قتال کے عمل کو جتنا اخلاصِ نیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر کیا جائے گا توفیقِ الٰہی اور مجاہدین اور جماعت کی حالت اتنی ہی بہتر رہے گی۔ اسی طرح مجاہد کا تعلق اپنے رب کے ساتھ جتنا مضبوط رہے گا توفیقِ الٰہی اور اس کی رہنمائی اتنی ہی اس کے ساتھ رہے گی...... یہاں تک کہ اُن گھٹاٹوپ فتنوں میں بھی اس کا دل راہِ حق پر جمارہے گا، جو خاص مجاہدین پر برسنے کے لیے بھیجے گئے ہوں گے۔

سو 'تواصوا بالحق' کے بعد شر کی قوتیں حرکت میں آتی ہیں۔ کیونکہ حق و باطل اور خیر و شر کی اس جنگ میں باطل کی ہمیشہ سے یہ روش رہی ہے کہ وہ اہلِ حق کو دبانے، انھیں دین کے درست منہج و راستے سے ہٹانے اور

---

[52] فيض الباري شرح صحيح البخاري للكشميري (5/ 160)

[53] یہاں پھر یاد دلاتے چلیں کہ مجاہدین کی حالت کی ابتری یہ نہیں کہ وہ سب کے سب شہید کر دیے جائیں، یا میدان میں بظاہر شکست کھاجائیں، یہ تو ان کی کامیابی کا ہی ایک انداز ہے۔ حالت کی ابتری یہ ہے کہ وہ راہِ قتال سے منحرف ہوجائیں۔

ان کی دعوت کا گلا گھوٹنے کے لیے ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو اپنے لیے جائز سمجھتا ہے۔ اس میں وہ نہ کسی اخلاقیات کا لحاظ کرتا ہے اور نہ کسی تعلق و قرابت داری کا پاس کرتا ہے۔ جیسا کہ پاکستان کی فوج شریعت کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ کر رہی ہے۔

کیونکہ یہ ایسا معرکہ ہوتا ہے جہاں حق کی جانب اپنے دین و عقیدے اور باطل کی جانب اپنی خواہشات و اقتدار کی حساسیت ہوتی ہے۔ حق والے حق کے لیے اور خواہشات پرست اپنی خواہشات اور اپنا اقتدار بچانے کے لیے ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں۔

اہلِ حق پر ظالم نظام کی جانب سے اس ظلم و زیادتی کا مقصد صرف یہ نہیں ہوتا کہ حق کی دعوت دینے والوں کے وجود کو ختم کر دیا جائے بلکہ مکار دشمن کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ جماعت جو دعوت لے کر اٹھی ہے اسے اس دعوت و منہج سے منحرف کر دیا جائے۔ وہ جانتا ہے کہ ان سب کو قتل کر ڈالنے کے مقابلے زیادہ مفید یہ ہے کہ ان کے منہج و نظریہ میں انحراف پیدا کر دیا جائے، یہ جو نعرہ لے کر اٹھے ہیں اس نعرے سے انھیں کسی بھی درجے میں ہٹا دیا جائے اور تراجع پر مجبور کر دیا جائے۔ کیونکہ ان تمام کو قتل کر دینے سے یہ نظریہ و منہج ختم نہیں ہو گا بلکہ پہلے سے زیادہ پھیلے گا، جبکہ اسی جماعت کو اس کی بنیاد سے منحرف کر دینے کی صورت میں جماعت کے باقی رہنے کے باوجود ان کا منہج و نظریہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔ چنانچہ ایسی جماعت جتنی بھی پھیل جائے دشمن کے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو گی۔ بلکہ اس کی بقاء و وجود دشمن کے لیے فائدہ مند ہی ہوتا ہے تاکہ اس جماعت کا حال دیکھ کر آیندہ کوئی اٹھنے کی ہمت ہی نہ کر سکے۔ نیز انقلاب کا ساتھ دینے والے ہمدرد و انصار بھی آیندہ یہ غلطی نہ کریں، کیونکہ اتنی قربانیوں کا انجام کیا نکلا؛ چند حکومتی مناصب، عہدے اور کرسیاں...... جبکہ بعض تو صرف جان بچانے کے لیے ہی اپنے نعروں سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں!

باطل کے پاس اس حق کی دعوت کو دبانے کے لیے ریاست کی قوت ہوتی ہے جبکہ اہلِ حق کے پاس اپنی جانیں ہوتی ہیں جنھیں قربان کر کے وہ اپنی کاز، اپنے مشن اور اپنے نعرے کی صداقت و حقانیت کو ثابت کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ اہلِ حق کو امتحان کے اس مرحلے میں تواصوا بالصبر کی قوت سے مسلح کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو ان آزمائشوں پر جمے رہنے، ڈٹے رہنے اور حوصلے بلند رکھنے کی تلقین کسی بھی تحریک کے کارکنوں کو آزمائش کی اس بھٹی سے کندن بنا کر نکالنے میں بنیادی کردار ادا کیا کرتی ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ [لقمان: 17]

"نیکی کا حکم کیجیے اور برائی سے روکیے، اور جو کچھ (تکالیف) پیش آتی ہیں ان پر صبر کیجیے، بیشک یہ بہت ہمت کا کام ہے"۔

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [الأحقاف: 35]

"سو آپ صبر کیجیے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا"۔

اور اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو کس پیار بھرے انداز میں صبر کی تلقین کرتا ہے:

﴿يَأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ [المدثر: 1-7]

"اے کپڑے میں لپٹنے والے! اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ اور گندگی سے کنارہ کرلو۔ اور کوئی احسان اس نیت سے نہ کرو کہ زیادہ وصول کرسکو۔ اور اپنے پروردگار کی خاطر صبر سے کام لو"۔

حق وسچ کی دعوت پر ثابت قدمی، استقامت اور تمام تکالیف کو ہنستے مسکراتے برداشت کرتے رہنا اہلِ حق کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کیا کرتا ہے۔

ظالم نظام کی جانب سے وحشیانہ مظالم، قتل وغارت گری اور سفاکیت کا عمل جاری رہتا ہے...... جیلیں آباد ہوجاتی ہیں...... تختہ دار سجائے جاتے ہیں...... عقوبت خانے ان دیوانوں کے نعروں سے گونج رہے ہوتے ہیں...... لیکن حق کی دعوت لے کر اٹھنے والے یہ اولوالعزم 'تواصوا بالصبر' کے عمل سے ایک دوسرے کو گرما

رہے ہوتے ہیں۔ پھانسی گھاٹ پر جاتے ہوئے اور پھانسی کا پھندا گلے میں ڈالتے ہوئے بھی...... ان کی زبانوں پر نعرۂ تکبیر اور شریعت یا شہادت کا نعرہ ہوا کرتا ہے...... سو یہ معرکہ جاری رہتا ہے۔

الحمد للہ آج بھی اللہ نے ایسے جواں مرد پیدا کیے ہیں جو اللہ کے دین کے نام پر، محمد ﷺ کی لائی شریعت کے نفاذ کے لیے دنیا بھر میں اپنے اسلاف کی یادیں تازہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے ایسی جیلیں آباد کیں کہ جیلوں کے نقشے ہی بدل ڈالے...... جیلوں سے نکالے گئے تو دوبارہ اسی پرانی روش پر لوٹ آئے۔ خوئے بغاوت اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی شریعت پر فدا ہونے کا عشق ختم نہیں ہوا...... تختہ دار پر چڑھے تو ایوان کانپ اٹھے ......اور یوں بڑے کروفر سے پھانسیوں کا اعلان کرنے والے، چپکے چپکے پھانسیاں دینے لگے......

آج پاکستان میں علمائے حق اور شریعت کی صدا لگانے والے دیوانوں پر جو مظالم ڈھائے گئے، انھوں نے گوانتاناموکی ظلم کی داستانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

خصوصاً اسلام کے نام پر بننے والے ہمارے پاکستان میں حق نواز جھنگوی شہید رحمۃ اللہ علیہ و ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر غازی عبد الرشید شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی عبد المجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ تک جتنے علماء شہید ہوئے یہ سب وہ تھے جنھیں ریاستِ پاکستان نے شریعت کے نفاذ کے لیے کوشش کرنے کے جرم میں شہید کیا۔

پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کے عقوبت خانوں میں جو مظالم مجاہدینِ اسلام پر ڈھائے گئے، اس کی مثال گوانتاناموا اور بگرام میں بھی نہیں ملتی۔

ان تمام مظالم کے باوجود اس مرحلے میں فتح بہرحال اِنھی دیوانوں کی صاف نظر آرہی ہوتی ہے...... ریاست کا مقتدر طبقہ باوجود ہر طرح کی قوت و وسائل رکھنے کے، انھیں ان کی دعوت سے ہٹانے میں ناکام رہتا ہے۔

قیادت آزمائش کی بھٹی میں

باطل تحریکات کی طرح اہلِ حق کی تحریک میں ایسا نہیں ہوتا کہ قربانیوں کے لیے صرف کارکنوں کو آگے

کیا جاتا رہے، اور قائدین اور ان کی اولاد دنیا کی لذتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔ یہاں تک کہ یہ قیادت اور ان کی اولاد اسی گندگی میں ڈوب کر خود اسی ظالم اشرافیہ کا حصہ بن جائے، جس کے خلاف اس نے انقلاب کا نعرہ لگایا تھا۔

بلکہ اہلِ حق کی قیادت کارکنوں سے پہلے آزمائش کی بھٹی میں جھونکی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو پہلے آزمائشوں سے گذارا، بعد میں ان کے متبعین کی باری آئی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کیسی کیسی آزمائشوں سے گذارا گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو ہر طرح کی آزمائش سے گذارا...... آپ ﷺ کی صاحبزادیوں کو، آپ کے خاندان کو اور آپ کے داماد ونواسوں کو اس مرحلے سے گذرنا پڑا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق پہلا خلیفہ منتخب کیا گیا، اس کی وجہ کیا تھی؟ یہ کون تھے، ان کا کردار کیا تھا؟ اسلام کی آبیاری اور اللہ کے رسول ﷺ پر فداکاری وجانثاری میں ان کا کیا مقام تھا؟

تمام عالمِ عرب اس عظیم شخصیت، ان کی اہلیت، ان کی قربانی اور ان کی قیادت کے حق کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

اسی طرح خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کون تھے، اسلام اور اہلِ اسلام کو ان سے کیا فائدہ پہنچا؟ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کس طرح وقت گذارا؟ عرب کے صحراء وپہاڑ اس مردِ درویش کو اچھی طرح جانتے تھے۔

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دین کے لیے قربانیوں سے اپنے پرائے سب اچھی طرح واقف تھے۔

اور یہی سنت اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق کے ساتھ آج تک جاری رکھی ہے۔ عالمی کفری نظام کے مقابل کھڑی ہونے والی جہادی قیادت نے سب سے پہلے اپنی قربانی پیش کی۔ اپنے گھربار، اپنے وطن، اپنے مال ودولت اور اپنے عیش وآرام کو اس امت کے مستقبل پر قربان کیا، اسی راستے میں اپنی اولاد کو آنکھوں دیکھی موت کے راستے پر ڈالا اور امت پر قربان کر دیا۔

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے قربانی کی ایک ایسی تاریخ رقم کی جس پر اسلامی بیداری کی تحریکات بجاطور پر فخر کر سکتی ہیں۔ علمائے حق سینہ تان کر لادین طبقے کے سامنے اس ہستی کو اپنے سر تاج کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ امیر المؤمنین... اللہ اس مردِ مجاہد کو امت کی جانب سے بہترین بدلہ دے... اپنی، اپنے خاندان کی قربانی، اپنی ریاست اور اقتدار کی قربانی...... اسی طرح آپ کے رفقائے جہاد نے خود اپنی اور اپنی اولاد، اپنی قوم وقبیلے کی قربانی پیش کی۔ مجددِ جہاد شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اپنی جان ومال اور گھر بار کی قربانی پیش کی، اپنے بچوں کو اس راستے پر ذبح کرایا، ان کی صاحبزادیاں بیوگی کی زندگی سے دوچار ہوئیں...... اسی طرح شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ خود اپنی جوانی سے قید وبند کی صعوبتوں، ہجرت ودربدری، جنگ کی مشکلات سے گذرتے رہے۔ آپ کی شریکِ حیات اللہ کے راستے میں اس طرح شہید کر دی گئی کہ قبر پر مٹی ڈالنا بھی نصیب نہیں ہو سکا...... ان کے ساتھ آپ کا بیٹا اسلام و امت کے نام پر قربان ہو گیا...... اس کے بعد بیٹیاں، نواسے اور نواسیاں سالہا سال تک اسیری کی اذیت سے گذرے کہ ایک مدت تک آسمان دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا...... پھر دو بیٹیوں کے سہاگ اس راستے میں قربان ہو گئے۔

ہجرتیں، فرقتیں، دربدریاں، جیلیں اور شہادتیں...... الحمد للہ یہ اعزاز امارتِ اسلامی افغانستان اور عالمی جہادی تحریک کی قیادت کو حاصل ہے کہ اس نے اس دینِ مبین کے لیے، اس امت کی عظمت ورفعت کے لیے، اپنا سب کچھ قربان کیا ہے...... اور ابھی تک کر رہی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اہلِ حق کی قیادت مصنوعی تحریکات، دجالی میڈیا کی چکا چوندھ اور باپ دادوں کی وراثت کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ یہ دیوانے جنگوں کی گھن گرج میں پروان چڑھتے ہیں، ہجرتیں انھیں اس دنیا کی حقارت سکھاتی ہیں، آئے روز کی شہادتیں انھیں اس فانی جسم کی حقیقت سمجھاتی ہیں۔ اسیری انھیں زندگی جینے کا قرینہ سکھاتی ہے...... ڈرون کے میزائل ان کے حوصلوں کو مہمیز لگاتے ہیں...... ہر وقت موت کا سایہ ان کی خواہشات کے لیے صیقل کا کام کرتا ہے، جو انھیں ان کا حال قربان کرنے پر ابھارتا ہے تا کہ یہ اپنا مستقبل (آخرت) سنوار سکیں۔

جمہوریت پسندوں کی طرح اہلِ حق کی قیادت کوئی عہدہ ومنصب نہیں ہوتا، بلکہ یہ کانٹوں کی سیج ہوتی ہے

جس پر لیٹ کر بھی انسان آرام سے نہیں رہ سکتا...... یہ غم کا ایسا بوجھ ہوتا ہے جسے اگر پہاڑوں پر ڈال دیا جائے تو شدتِ کرب سے وہ بھی کالے ہو جائیں...... یہ لیڈری کے نام پر اپنے بنگلے نہیں بناتے بلکہ اپنے گھر بار کو کھنڈرات بنوا کر امت کے دین، اس کے عقیدہ و ایمان اور ان کے گھروں کی حفاظت کرتے ہیں...... اللہ کے نظام سے محروم اس بنجر و اجاڑ زمین کو یہ اپنے گرم لہو سے سیر اب کر رہے ہیں تا کہ اس پر شریعت نافذ کر کے اسے تعمیر کے قابل بنایا جاسکے، اس کی تعمیر میں ان کی آہیں اور سسکیاں شامل ہیں...... اس کی تزئین و آرائش ان کے ارمانوں کو جلا کر اور ان کی خواہشات کا خون کر کے کی جارہی ہے۔

حق و باطل کے اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ دورِ جدید میں باطل کے ہاں قیادت تیار کرنے کا انداز مصنوعی اور دھوکہ و فریب پر مبنی ہے۔ باطل قوتیں کام کے اعتبار سے کردار تلاش کرتی ہیں، اور پھر کسی بھی کٹھ پتلی کو قائد بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیتی ہیں...... آسمان و زمین پیدا کرنے والا رب گواہ ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ (درحقیقت عیسائی دنیا کی بربادی اولیٰ) سے لے کر اب تک...... خصوصاً خلافتِ عثمانیہ ٹوٹنے کے بعد سے اس دجل کے ذریعہ دنیا کے سامنے ایسے کردار قائد بنا کر پیش کیے گئے جو اعلیٰ درجے کے نااہل اور نکمے تھے، لیکن یہ ذرائع ابلاغ کا دجل اور دورِ جدید کے تاریخ سازوں کی عیاری ہے کہ انھوں نے طوائفوں، بھانڈوں، میراثیوں اور بدفعلیوں میں مبتلا کرداروں کو بھی اس جاہلی معاشرے کا ہیرو بنا کر پیش کر دیا...... انتہا یہ ہے کہ اگر سینٹ ویلنٹائین جیسے بدکردار و بدفعل لوگ بھی قائد، اسوہ اور ابطال بنا کر پیش کیے جاسکتے ہیں تو بہر حال ایرے غیرے تو اس سے زیادہ مستحق ہی ہیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت تو نام ہی اس پتلی تماشے کا ہے جہاں ملک کی مقتدر قوتیں (فوج وخفیہ ایجنسیاں) ان جمہوری جمہوروں کو قائد بنا کر پیش کرتی ہیں اور ایک کے بعد ایک کو استعمال کر کے لات مارتی رہتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ منصوبے کہاں بنتے ہیں، ریاست کو چلانے کی منصوبہ بندی کہاں کی جاتی ہے، مالیاتی منصوبہ بندی، داخلی و خارجی امور کہاں طے پاتے ہیں۔

اس دور کا المیہ اور دجل ہے کہ اس کی تاریخ شیاطین مرتب کر رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ، عالمی خبر رساں ایجنسیاں اس تاریخ سازی کے بنیادی ذرائع ہیں۔ اس لیے جسے چاہیں قائد بنا دیں اور جسے چاہیں دہشت گرد

ثابت کر دیں...... جسے چاہیں رہبر ورہنما بناڈالیں، جسے چاہیں رہزن...... یہ سب اس دجالی دور کا کمال ہے...... بس دیکھتے جایئے اور اپنے رب کی حقانیت کا مشاہدہ کیجیے کہ وہ کس طرح لوگوں پر باطل راستوں کو واضح کر رہا ہے کہ ان سے دین کی سربلندی تو دور سوائے پگڑیاں اچھلوانے کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

بہر حال حق و باطل کی قیادت کے مابین اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ دنیا و آخرت کا، ایثار و ہوس پرستی کا، اندھیروں اور اجالوں کا، علم اور جہالت کا۔

چنانچہ وہ تحریک جو دینِ مبین کی دعوت لے کر اٹھتی ہے، اسے اس کے شارع کے بتائے طریقے کے مطابق لے کر چلتی ہے، اسی راستے کو اختیار کرتی ہے جسے اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اختیار کیا، وہ اس منصب کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک امانت سمجھتی ہے، اس کے ذریعہ وہ آخرت کی کامیابی اور جنت کے درجات کی طالب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس راستے میں ہر قربانی کو وہ اپنے رب کی رضا اور آخرت میں بلندئ درجات کا سبب جانتی ہے۔

تواصوا بالحق کے راستے میں آنے والی مشکلات کے باوجود...... وہی نعرہ، وہی عزم، وہی لڑائی جس پر تحریک وجماعت کی اٹھان رکھی گئی تھی اور پھر اسی منہج و فکر پر تواصوا بالصبر کی گونجیں...... کہیں مقتل سے تو کہیں زندانوں سے...... کہیں خفیہ عقوبت خانوں سے تو کہیں تختہ دار پر چڑھ کر...... وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا...... نہ راستہ بدلا، نہ راہی بدلے...... نہ قافلہ چھوٹا...... نہ قافلے سے راستہ چھوٹا...... یہ مرحلہ اسلامی تحریکات کی زندگی میں زندگی و موت اور کامیاب و ناکامی کا مرحلہ ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اگر قیادت اپنی کاز و مشن پر اپنی جانیں قربان کر جاتی ہے تو یہ ان کی فتح ہوا کرتی ہے اور باطل نظام کے منہ پر شکست کی ایسی کالک ہوتی ہے جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوتی۔

یہ امتحان و ابتلاء تو سنتِ الٰہی ہے، ورنہ اللہ چاہے تو یوں ہی کفر کو ختم کر دے۔ سورۂ محمد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَـٰكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ...﴾

[محمد:4]

''تمہیں تو یہی حکم ہے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لے لیتا، لیکن (تمہیں یہ حکم اس لیے دیا ہے) تا کہ تمہارا ایک دوسرے کے ذریعے امتحان لے''۔

یہ امتحان کیا ہے؟

اہلِ ایمان کا یہ امتحان ہے کہ زبان سے کلمہ پڑھنے کے بعد اس کلمہ کی حقانیت پر کسے کتنا یقین ہے اور کون اس کلمہ کی خاطر اپنی جان و مال قربان کر سکتا ہے؟

اس کلمہ کی حقانیت اور اس کے بدلے ملنے والے انعام کا جسے ایسا یقین ہے جیسا کہ اہلِ دنیا آنکھوں دیکھی دنیا پر یقین رکھتے ہیں، تو وہ اس کلمہ پر اپنا سب کچھ قربان کرنے میں ذرا تردد نہیں کرتے۔ یہ کلمہ کس کے دل میں کتنا گھر کر گیا ہے اس کا اندازہ اس کے دنیا و آخرت پر یقین کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے...... جو یومِ آخرت پر ایسا یقین رکھتا ہو جیسے ابھی پلک جھپکتے ہی وہ اپنے اللہ کے سامنے جا کھڑا ہونے والا ہے، اس کا مطلب ہے کہ کلمہ توحید اس کے دل میں ایسا پیوست ہو چکا ہے کہ اس کے غیر اس دل سے نکل چکے ہیں...... لیکن اگر کوئی یومِ آخرت کے مقابلے آنکھوں دیکھی دنیا کو ترجیح دیتا ہے، اس کی فانی زندگی اور اس کے مال و متاع کو ترجیح دیتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس کے دل میں توحید کتنی ہے اور غیروں کی شرکت کس قدر بیٹھی ہوئی ہے...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی ایک آیت میں ہے یہ سارا مضمون سمجھا دیا کہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے کوئی مشکل نہ رہے۔ فرمایا:

﴿لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ﴾ [التوبة: 44]

''جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اپنے مال و جان سے جہاد نہ کرنے کے لیے تم سے اجازت نہیں مانگتے، اور اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے''۔

یعنی جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ جہاد سے بیٹھے رہنے کی اجازت نہیں مانگتے۔ بلکہ وہ تو اللہ سے ملاقات اور آخرت کے دن اس کلمہ پر قربان ہونے کے بدلے ملنے والے انعام کے لیے بے تاب

رہتے ہیں۔

یہ اجازت مانگنا تو ان کی عادت ہے جن کے دل میں یہ کلمہ بیٹھا ہی نہیں ہے اور وہ آخرت کے مقابلے اس دنیا کو ہی اصل سمجھتے ہیں اور اس دنیا پر ان کا یقین آخرت سے زیادہ ہے۔ کلمہ تو بس یوں ہی پڑھ لیا ہے کہ چند رسومات ادا کر لیں اور مسلمانوں کی فہرست میں نام شامل ہو جائے۔

امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں کتنی سخت بات کرتے ہیں:

وهذا إعلامٌ من الله نبيَّه صلى الله عليه وسلم سِيمَاء المنافقين: أن من علاماتهم التي يُعرفون بها تخلُّفهم عن الجهاد في سبيل الله، باستئذانهم رسول الله صلى الله عليه وسلم في تركهم الخروجَ معه إذا استنفروا بالمعاذير الكاذبة۔[54]

"یہ اللہ کی جانب سے اپنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی علامات کی اطلاع دینا ہے۔ ان کی علامات میں سے ...جن سے انھیں پہچانا جاسکتا ہے... ایک علامت ان کا جہاد فی سبیل اللہ سے پیچھے رہنا ہے، جھوٹے عذر پیش کر کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنے کی اجازت طلب کرنے کے ذریعہ سے"۔

﴿إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ﴾ [التوبة:45]

"تم سے اجازت تو وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں، اور وہ اپنے شک کی وجہ سے ڈانواں ڈول ہیں"۔

ظاہر ہے جب دل میں ہی شک و نفاق پیدا ہو گیا اور جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اس کے بارے میں ہی شک و شبہ میں پڑ گئے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی شریعت خسارے سے بچا سکتی ہے یا وہ شریعت جس کو عالمی سود خوروں نے عالمی نظام کے طور پر اقوام متحدہ کے ذریعہ مسلط کرایا ہے۔

[54] جامع البيان (14/ 274) ت شاكر

سو جن کے کلمہ پڑھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ اپنے ایمان لانے اور کلمہ پڑھنے میں جھوٹے ہیں تو ان کا صرف زبان سے کلمہ پڑھنا انھیں کتنا خسارے سے بچا سکتا ہے، یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے۔

اپنے دین و ایمان کو مغلوب دیکھ کر باطل نظام کے خلاف قتال نہ کرنا...... کفر کی غلامی میں جی کر جانیں بچائے پھرنا...... کس قوم کی لغت میں 'فتح' کہلاتا ہے۔ اپنے گھر بار بچانے کے لیے مسلمانوں کے گھر بار کو جلتا اجڑتا، کھنڈرات بنتا دیکھ کر خاموش تماشائی بنے رہنا کہاں کی شرافت ہے، جب ایک طرف حزب الرحمٰن اور دوسری جانب حزب الشیطان آمنے سامنے ہوں، دونوں اپنے اپنے عقیدے و نظریے کے لیے اپنا سب کچھ جھونک دینے پر تیار ہوں، ...الذین آمنوا... اپنے اسلام کے لیے، جبکہ...والذین کفروا... کفری نظام کے لیے جنگ کر رہے ہوں...... اس جنگ میں خود کو حق کی صفوں سے الگ کر کے یہ سمجھ لینا کہ ہم تو غیر جانبدار ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ کس سے غیر جانبدار ہو گئے...... اس اسلام سے جس کے لیے مرمٹنا آپ پر فرض کیا گیا تھا...... رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے قرآن سے...... جس کے لیے اپنا گھر بار، مال و دولت و آل اولاد سب کچھ قربان کر دینے کا حکم کیا گیا تھا۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسلام سے صرف اس لیے غیر جانبدار ہو گئے کہ کفری نظام کی محافظ قوتیں کہیں آپ سے ناراض نہ ہو جائیں۔

اللہ کے مکمل دین کی دعوت خواہ ساری دنیا ناراض ہو جائے، علماء کی ذمہ داری ہے۔ اس دور میں داعیانِ دین اور خصوصاً اسلامی تحریکات کو یاد رکھنا چاہیے کہ [إن الإنسان لفي خسر] کا نعرہ لگانے کے بعد، اس سورت کے دوسرے حصے [وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر] کو مضبوطی سے پکڑنا ہو گا۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلامی تحریکات کے کمزور موقف، کھوکھلے نعروں یا کمزور کردار کی وجہ سے لوگ اسلامی بیداری کے بارے میں ہی فتنے کا شکار ہو جائیں۔

جب ایک بار زبان سے [ربنا اللّٰہ] کا اعلان کر دیا تو پھر لازم ہے کہ اسی پر ثابت قدمی دکھائی جائے، اسی پر جینا ہو اور اسی پر موت آئے، غیر اللہ کے ہر نظام سے اعلانِ بغاوت اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے نظام کا نفاذ...... اس کے لیے عداوتیں، دشمنیاں، کال کوٹھریاں، پھانسی کے پھندے اور دربدریاں...... یہ خسارہ

نہیں کامیابی ہی کامیابی ہے۔ کیونکہ یہ سب اللہ کی رضا کے لیے...... اس کے دین کی سربلندی کے لیے ہے۔

سو داعیانِ دین اور اللہ کی زمین پر اللہ کے کلمے کی بلندی کے لیے اٹھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ سورت کی آخری آیت کو اپنالائحہ و منہج بنائے رکھیں تاکہ قافلہ کامیابی کے راستے پر چلتا رہے۔

نیز امتِ مسلمہ کے سنجیدہ طبقے کو یہ بات اچھی طرح سمجھنا چاہیے کہ اپنی دعوت اور اپنے منہج و نظریات کو غالب کرنے کے لیے طاقتور قوتوں کے سامنے اعلانِ بغاوت کرنا انبیاء کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کی مکمل دعوت، خواہ کافروں کو جتنی بھی بری لگی، ہر حال میں دی جاتی رہی ہے۔ خواہ اس کے لیے اپنی جان، اپنا گھر بار اور اپنا وطن بھی چھوڑنا پڑا تو اس سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ پوری کی پوری جماعتیں اسی دعوت و منہج پر شہید کر دی گئیں۔

مردانِ حر کی تاریخ میں اسے شکست نہیں کہتے کہ پوری کی پوری جماعت میدانِ کارزار میں شہید کر دی جائے، یا مقتدر طبقے کی کال کوٹھریوں سے ان کے جنازے نکلیں...... یہ تو ان کے منہج و نظریات کی فتح ہوا کرتی ہے...... شکست تو یہ ہے کہ جماعت کی قیادت اپنی جانیں بچانے کے لیے اپنے کارکنوں کی قربانیوں سے سودے بازی کر کے اپنے منہج و نظریات سے پیچھے ہٹ جائے...... وہ دنیا کی چند دن کی زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے آخرت کی دائمی، ابدی اور لافانی زندگی سے غافل ہو جائے...... انقلابات کی تاریخ میں یہ بدترین شکست ہوتی ہے کہ قیادت اپنے بنیادی نظریات سے منحرف ہو جائے، ڈر کر، تھک کر، سست ہو کر یا جیسے بھی...... قافلہ حق کا اپنے نعرے اور نظریے پر مر مٹنا ایسی فتح ہوتی ہے جس سے تاریخ کا چہرہ ہمیشہ روشن رہا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایسے دیوانوں کی تعریف بیان کی ہے جو راہِ حق میں مصائب و مشکلات اور مادی نقصانات اٹھانے کے بعد بھی اسی راستے پر چلتے رہتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [آل عمران:146]

''اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی! نتیجتاً انھیں اللہ کے راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انھوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انھوں نے

اپنے آپ کو جھکایا، اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے"۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہلِ حجاز و بصرہ کی قرأت میں ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ﴾ میں جو ﴿قٰتَلَ﴾ ہے، اسے ﴿قُتِلَ﴾ پڑھا گیا ہے، کہ کتنے ہی نبی ایسے تھے جن کے ساتھ علماء وفقہاء شہید کر دیے گئے لیکن ان کے بعد والے نہ قتال کرنے میں سست پڑے، نہ کمزوری دکھائی۔

کامیاب گروہ: حزب الرحمٰن

﴿إلا الذين اٰمنوا﴾: ایک اللہ کا ہو جانا، اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا عزم۔ جینا بھی اسی کے لیے مرنا بھی اسی کے لیے، الحب للہ والبغض للہ؛ اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اللہ کی شریعت کے دشمنوں سے دشمنی۔

﴿وعملوا الصّٰلحات﴾: اللہ کے اوامر ونواہی کی پابندی...... ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾: نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون اور گناہوں اور اللہ کی بغاوت کے کاموں میں کوئی تعاون نہیں۔

﴿وتواصوا بالحق﴾: روئے زمین سے شیطانی نظاموں کو ختم کر کے سارا کا سارا نظام صرف اللہ کے لیے...... پورے قرآن کے نفاذ کے ذریعہ...... انسانیت کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر آخرت کے اجالوں کی طرف لے آنے کی کڑھن۔

﴿وتواصوا بالصبر﴾: یعنی پورے دین کی نبی ﷺ والی دعوت پر استقامت سے ڈٹ جانا، کٹ جانا، مٹ جانا، اور باطل سے ڈر کر اس دعوت میں کوئی کمی زیادتی نہ کرنا بلکہ اسی پر اپنا سب کچھ قربان کر دینا۔

کامیابی کے درجات

پھر کامیاب لوگ بھی درجات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ چنانچہ کون کتنا کامیاب رہا، کس نے کتنا اپنے آپ کو اس خسارے سے بچالیا، کس نے کتنا اپنے سرمایے کو نفع بخش بنالیا، قرآن کریم اسے بیان کر رہا ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ (10) أُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (11) فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ﴾ [الواقعة:10۔12]

"اور جو سبقت لے جانے والے ہیں، وہ تو ہیں ہی سبقت لے جانے والے۔ وہی ہیں جو اللہ کے خاص

مقرب بندے ہیں۔ وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے"۔

﴿وَأَصْحٰبُ الْيَمِينِ مَا أَصْحٰبُ الْيَمِينِ﴾ [الواقعة:27]

"اور وہ جو دائیں ہاتھ والے ہوں گے، کیا کہنا ان دائیں ہاتھ والوں کا"۔

﴿وَالسّٰبِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهٰجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [التوبة: 100]

"اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنھوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اس سے راضی ہیں، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی زبردست کامیابی ہے"۔

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [الصف:10]

"اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایسی تجارت کے بارے میں نہ بتاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے نجات دے دے"۔

﴿تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [الصف:11]

"(وہ یہ ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہترین بات ہے، اگر تم سمجھو"۔

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [الصف: 12]

''اس کے نتیجے میں اللہ تمہاری خاطر تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ایسے عمدہ گھروں میں بسائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں واقع ہوں گے۔ یہی زبردست کامیابی ہے''۔

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [التوبة: 111]

''واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے بدلے خرید لیے ہیں کہ جنت انھی کی ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے تورات اور انجیل میں بھی لی ہے، اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ لہٰذا اپنے اس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اللہ سے کر لیا ہے۔ اور یہی بڑی زبردست کامیابی ہے''۔

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِين﴾ [الجاثية: 30]

''سو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، ان کا رب انھیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا، یہی بڑی زبردست کامیابی ہے''۔

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [الحديد: 12]

''اس دن جب تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے سامنے اور ان

کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں خوشخبری ہے ان باغات کی جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ یہی ہے جو بڑی زبردست کامیابی ہے"۔

﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقَاتُ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ [الحدید:13]

"اس دن جب منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ: ذرا ہمارا انتظار کر لو کہ تمہارے نور سے ہم بھی کچھ روشنی حاصل کر لیں۔ (ان سے) کہا جائے گا کہ: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر نور تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا جس کے اندر کی طرف رحمت ہو گی، اور باہر کی طرف عذاب ہو گا"۔

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [النساء: 13]

"یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّة۔[55]

"بیشک جنت میں سو درجات ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیا ہے، دو

[55] صحيح البخاري (354/9) باب درجات المجاهدين في سبيل الله

درجوں کا آپس کا فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ آسمان وزمین کا فاصلہ، سو جب تم اللہ سے مانگو تو اس سے فردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا بیچ و بیچ اور سب سے اونچا حصہ ہے، اس کے اوپر رحمن کا عرش نظر آتا ہے، اور اسی سے جنت کی نہری پھوٹتی ہیں"۔

انسانوں کا بنایا جمہوری نظام...... خسارہ ہی خسارہ

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

قرآنِ کریم کی اس چھوٹی سی سورت کی چھوٹی سی آیت ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ دانشورانِ مغرب، ہند کے برہمنوں اور جدید جاہلی نظام (جمہوریت) کی قیادتوں کے لیے آج بھی چیلنج ہے کہ اے انسانیت کی قیادت کے دعویدارو! جیسے اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر پہلی اقوام باجود ترقی کے خسارے میں رہیں، تمہارا حال بھی ایسا ہی ہے...... تم بھی گھاٹے میں جارہے ہو...... کامیابی کے سارے دعوے جھوٹے ہیں...... تم نے دنیا سے اللہ کی شریعت کا خاتمہ کرکے اپنا گھڑا ہوا نظام مسلط کیا...... تم نے محمد ﷺ کے لائے طرزِ زندگی کے مقابلے اپنا جاہلی طرزِ زندگی دنیا پر تھوپا...... انجام کیا ہوا؟

آج تم خود دیکھ رہے ہو...... ترقی یافتہ یورپ و امریکہ غربت و بے روزگاری، فساد و بدامنی اور معاشرتی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے...... زندگی میں چین وسکون نام کی کوئی چیز نہیں...... اخلاص و وفا، ایثار و قربانی اور محبت و ہمدردی مغربی طرزِ زندگی میں کوئی چیز ہی نہیں...... صرف ایسا معاشرہ ہے جو مفادات کی بنیاد پر کھڑا ہے...... کوئی کسی کا نہیں، صرف مفادات کی دنیا ہے۔ بیوی اس وقت تک بیوی ہے جب تک شوہر کے ساتھ مفاد ہے، اور شوہر اس وقت تک شوہر ہے جب تک بیوی کے لیے قابلِ فائدہ ہے...... حالت یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر پر بھروسہ نہیں کرسکتی، ماں اپنے بیٹے پر اعتماد نہیں کرسکتی، بہن کو اپنے بھائی پر بھروسہ نہیں۔

حالانکہ مغربی فلسفہ حیات کا دعویٰ ہی صرف اور صرف دنیا سنوارنا تھا..... دانشورانِ مغرب نے مذہب سے بغاوت کراتے وقت اپنی اقوام کے سامنے نعرہ ہی یہ لگایا تھا کہ ان کے پاس جو فلسفۂ حیات ہے، جو طرزِ زندگی وہ لے کر آئے ہیں، اس پر چل کر قومیں ترقی و خوشحالی کی ایسی شاہراہ پر گامزن ہوں گی کہ بدحالی کبھی قریب بھی نہیں آئے گی..... ان کے نظامِ حیات کو قبول کر لینے کے بعد قوموں کا معیارِ زندگی ایسا بلند ہوگا کہ ہر طرف رزق کی فراوانی..... آسودگی و فارغ البالی ہوگی..... ایک ایسا معاشرہ جہاں امن و سکون، عزت و احترام اور رشتوں کا تقدس ہوگا..... غرض دنیا ہی جنت بن جائے گی۔

لیکن بغیر خالق کی مانے اس کی مخلوق کیوں کر چین و سکون حاصل کر سکتی ہے۔ اس کے دین کو بطورِ طرزِ زندگی اختیار کیے بغیر دنیا کا امن و سکون، آسودگی و خوشحالی کیونکر نصیب ہو سکتی ہے..... جس شریعت کو رحمۃ للعالمین ﷺ کو دے کر بھیجا گیا، اسے نافذ کیے بغیر رحمتیں کہاں قریب آسکتی ہیں۔

دانشورانِ ہند اور برہمن مفکرین کیا اس حقیقت کا انکار کر پائیں گے کہ ہند میں اسلام کا نور پھیلنے سے پہلے ہندوستانی معاشرہ کیسی بدتر اخلاقی حالت میں مبتلا تھا؟ ہندو معاشرہ طبقاتی تفریق، چھوت چھات اور عورت کو منحوس سمجھنے کے عقیدے پر قائم تھا۔ انتہا یہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے ساتھ ہی اس کی بیوی کو شوہر کے ساتھ ہی 'چتا' میں جلا کر 'ستی' کر دیا جاتا تھا۔

عام آدمی کو جاگیرداروں، مہاراجوں اور برہمن پنڈتوں نے اپنا غلام بنایا ہوا تھا، چنانچہ نسل در نسل غلامی ان کا مقدر تھی۔ انھیں اتنے حقوق بھی حاصل نہ تھے جتنے آج کتے بلی کو دیئے جاتے ہیں۔

یہ تو رحمۃ للعالمین ﷺ کا رحمت والا دین ہی تھا جس نے ہندو معاشرے کو انسانیت سکھائی، انسانی احترام اور ذات پات کی قباحت سمجھائی، برہمنِ ہند کو یہ سمجھایا کہ انسان کا خون جانور کے خون سے کہیں زیادہ مقدس ہے..... اسے یہ راز بتایا کہ عورت ذات بھی مرد ہی کی طرح اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے، اور اس کے شوہر کی موت میں اس کا کوئی قصور نہیں کہ اسے زندہ ہی 'ستی' کر دیا جائے۔

ہندوستان سے شریعت کے خاتمے کے بعد یعنی انگریزوں کے دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد سے اب تک یہ معاشرہ کس ناگفتہ بہ حالت کا شکار ہے۔ زناکاری، رشوت، سود، کمزوروں پر ظلم اور طبقاتی تفریق (اس بار

اگرچہ اس کا رنگ مختلف ہے) جیسی اخلاقی بیماریاں ناسور کی طرح اس معاشرے کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔

عقل حیران ہے کہ اس جدید دور میں بھی جبکہ ہندو خود کو دنیا کی بڑی طاقت کے طور پر پیش کر رہے ہیں، اسی دنیا میں ایسی قوم بھی بستی ہے جو اس دور میں بھی اپنے ہاتھوں سے تراشے پتھروں کو اپنا معبود بنالیتی ہے...... خود ہی اپنے پرانے معبودوں کے اختیارات کبھی کم کبھی زیادہ کرتی رہتی ہے، کبھی ایک کے اختیارات دوسرے کو، کبھی تین کے اختیارات ایک میں ضم کر دیتی ہے...... سائنس و ٹیکنالوجی، علم و ادب میں ترقی کے دعویدار مفکرینِ ہند کیا کبھی یہ غور کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ آخر اس جدید دور میں بھی جہالت کی وہی پرانی تاریکیاں...... ٹی وی پر بڑے بڑے نعرے لگانے والے دانشور کیا کبھی اپنے اندر جھانکنے کی ہمت نہیں کرپاتے یا آج بھی ان کی سوچوں پر برہمن کی علمی اجارہ داری کے وہی پرانے پہرے ہیں جو اسلام کے آنے سے پہلے تھے۔ کیا ہندو عقیدے کے بارے میں بات کرنا آج بھی اتنا ہی جرم ہے جتنا کہ تاریک دور میں ہوا کرتا تھا؟

یہ سوال کسی سطح پر تو اٹھایا جانا چاہیے۔

ان تمام خرابیوں اور برائیوں کی ایک ہی وجہ ہے۔ اپنے خالقِ حقیقی کو نہ پہچاننا...... اس کے نازل کردہ نظام کو چھوڑ بیٹھنا۔

سو مشرق و مغرب اللہ سے بغاوت کا انجام آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں...... تاریخِ انسانیت میں کیا انسان کبھی اتنا ذلیل ہوا تھا جتنا تمہارے اس جدید نظام کے ذریعہ ہوا...... تم نے انسانوں سے ان کا امن و سکون چھین لیا...... تم نے ان کو معبودِ حقیقی سے کاٹ کر اپنے ہاتھوں سے تراشے معبودوں کا بندہ بنادیا...... کہیں جمہوریت کے نام پر...... کہیں آمریت کے نام پر...... کہیں اشتراکیت کے ذریعہ تو کہیں سرمایہ داری کے ذریعہ۔

تم نے انسانی معاشرے کو اس جنگل سے بھی بدتر بنادیا جہاں کے حیوان بھی شرم و حیاء اور اخلاقیات کا خیال کرتے ہیں...... تم نے خاندانوں کو توڑ کر قطع رحمی کے ایسے بیج بوئے کہ گھر بار اور خاندان تباہ و برباد ہوگئے...... اولاد والدین کو بھول گئی اور والدین اولاد کو...... مغرب کے بازاروں میں ماؤں کی ممتا کا جنازہ نکال دیا گیا...... بھائی بہنوں کے مقدس رشتے پامال کرنے والے تم ہی ہو...... یہ تم ہی ہو جنھوں نے بے شرمی و بے حیائی اور عصمت فروشی کو ایسی صنعت بنایا کہ تمہاری بعض ریاستیں اسی عصمت فروشی کے رزق پر پلتی ہیں...... تمہاری

بے حیائی دیکھ کر عزت دار گھرانے حیاء و پاکدامنی پر نوحہ کناں ہیں...... ہنگاموں سے بھرے ان شہروں میں شرم و حیاء در بدری کا ایسا شکار ہوئی کہ اسے کہیں جائے پناہ نہیں ملتی...... تم اپنی عوام کو حقِ حکمرانی کیا دیتے تم نے تو اپنی عوام کی ایک بڑی تعداد کو ان کے باپ کے شجرے سے ہی محروم کر دیا۔ پھر بھی بڑے زعم سے کہتے ہو کہ تمہارا لائف اسٹائل ہی انسانیت کو عزت دے سکتا ہے!

تمہاری ذخیرہ اندوزی کی حرص نے بازاروں سے ایمانداری چھین کر بے ایمانی و دھوکہ دہی کا ایسا بازار گرم کیا کہ نہ کسی وعدے کا پاس رہا نہ زبان کا اعتبار...... رزق کے نام پر تم نے ساری انسانیت کو سودی نظام میں مبتلا کیا اور روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کا محتاج بنا دیا۔ تمہارے اس سودی نظام کے نتیجے میں انسانوں کو سوائے مہنگائی و کساد بازاری اور ملاوٹ و جعل سازی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

اس میں شک نہیں کہ مغرب نے اپنی مشینوں کے سہارے آسمان کو چھوتی بلند وبالا عمارتیں تعمیر کر لیں...... لیکن ان کے مکین اخلاقی پستیوں کے ایسے گڑھے میں جا گرے جہاں انسانیت شرمندہ ہو رہی ہے...... یہ صحیح ہے کہ جدید ٹیکنالوجی نے مغرب کے باسیوں کی زندگی کو اتنا تیز کر دیا کہ ایک نوجوان اپنے کمرے میں بیٹھ کر ساری دنیا سے باخبر رہتا ہے، لیکن یہ انسانیت سے اتنا دور ہوا کہ ساتھ والے کمرے میں موجود بوڑھی ماں کی اس کو خبر نہیں ہوتی جو ایک گلاس پانی کے انتظار میں سوکھ رہی ہوتی ہے...... صنعتی ترقی اور تیز تر معیشت نے نوجوانوں کی مزدوری میں اضافہ ضرور کر دیا، لیکن سودی نظام میں جکڑا نوجوان بینکوں اور ملٹی نیشنلز کے سودی قرضے اتارتے اتارتے بوڑھا ہو گیا...... زراعت کے جدید جینیاتی مصنوعی طریقوں سے کسانوں کی پیداوار کو تیز تو کر دیا لیکن اس زمین پر اللہ کا نظام نہ ہونے کے سبب زمین نے اپنی پیداوار کی غذائیت کو روک لیا...... اب زمینیں ہیں کہ انتہائی مشکل سے بہت تھوڑا اگاتی ہیں اور وہ بھی ایسا کہ فائدہ بہت کم، غذائیت سے خالی جھاڑ جھنکاڑ ہی اگاتی ہیں...... دیکھنے میں ہر چیز پہلے سے بڑی اور موٹی ہے لیکن اس میں غذا نام کی کوئی چیز نہیں۔

غرض یہ کہ تمہاری تہذیب و فلسفہ، تمہاری اقدار وطرزِ زندگی اور تمہارا تعلیمی و مالی نظام، جمہوری و پارلیمانی نظام سب ناکام ہو چکے ہیں...... وقت نے ثابت کر دیا کہ دانشورانِ مغرب نے جو آشیانہ بنایا تھا، وہ شاخِ

نازک پر ہی تھا...... اور آسمان گواہ ہے کہ تمہاری تہذیب اپنے ہی خنجر سے آپ ہی خودکشی کر رہی ہے...... جس تہذیب کو تم نے لیپاپوتی کے ذریعہ خوبصورت بنا کر دنیا کو دھوکہ دیا تھا، آج اس کی لاش میں کیڑے ابل رہے ہیں جس کی سڑاند یہاں سات سمندر پار بھی شرفاء کی زندگی کا سکون برباد کر رہی ہے۔

تم انسانوں کو مثالی اخلاقیات اور اعلیٰ اقدار کیا سکھاتے، حقیقت یہ ہے کہ تم نے ابلیس کے خیال، اس کی امیدوں اور تمناؤں ہی کی تکمیل کی اور ابھی بھی تم اسی کے مشن کی تکمیل کے لیے دنیا کو جنگوں کی بھٹی میں جھونکے ہوئے ہو کہ شاید تم مزید انسانی خون بہا کر عالمی اقتدار کی ہاری بازی جیت سکو اور اس طرح ہاتھ سے نکلتی دنیا کی قیادت تمہارے ہاتھ میں باقی رہ جائے۔

لیکن اب یہ مجنون کا خواب ہی ہے۔

ع ایں خیال است و محال است و جنوں

تمہاری عقل و دانش، تمہاری سائنسی ترقی، تمہارا شب و روز دنیا بھر میں دوڑے پھرنا...... یہ سب ابلیس کے گمان ہی کو سچا ثابت کرنے کے لیے ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سبأ:20]

''اور واقعی ان لوگوں کے بارے میں ابلیس نے اپنا خیال درست پایا، چنانچہ یہ اسی کے پیچھے چل پڑے، سوائے اس گروہ کے جو مومن تھا''۔

اللہ کی کتاب آج اکیسویں صدی میں بھی تمہیں جھنجھوڑ رہی ہے کہ اے جدید جاہلی تہذیب کے اسیر انسان! تو خسارے میں ہے۔ تیرا ہر لمحہ خسارے و گھاٹے میں گذر رہا ہے، تو سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو یا خلاؤں میں مارا مارا پھرتا رہے...... تیری مادی ترقی...... صنعت و ٹیکنالوجی...... جگمگاتے شہر...... ان سب کے باوجود...... تیرا ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل، اور ہر ہر سانس تیرے گھاٹے و نقصان میں اضافہ ہی کر رہا ہے، اگرچہ تیری کوتاہ نظری ہے اور تو یہ سمجھ رہا ہے کہ جدید جاہلیت ترقی کر رہی ہے، تو تخلیقِ کائنات کے رازوں کی کھوج میں آگے جا رہا ہے...... تیری معیشت ترقی کر رہی ہے، زرِ مبادلہ کے ذخائر میں اضافہ ہو رہا ہے، یہ سب نظروں کا دھوکہ و خود فریبی ہے۔

سیکولرزم اور جمہوریت......ایک خطرناک کفر

واضح رہے کہ جمہوریت (خواہ مشرقی ہو یا مغربی یا اسے اسلامی کہا جائے) کی اصل اور روح سیکولر سیاست ہی ہے۔ اس کے اندر داخل ہو کر کسی کا یہ گمان کرنا کہ وہ اسلامی سیاست کرتا ہے، یا جمہوریت کو اسلامی اور سیکولر میں تقسیم کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ شراب کو اسلامی اور سیکولر میں تقسیم کرنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید جاہلی دور دجل وفریب کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ جمہوریت کے نام پر سیکولرزم کے جس کفر میں دنیا کو مبتلا کیا گیا ہے، اس کی گہرائی وگیرائی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ابلیس نے اپنی ساری زندگی کا تجربہ اس میں نچوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اس نے اپنے دشمن انسان کو اس بار ایسے کفر میں مبتلا کیا ہے جس کا انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔

یہ کفر ماضی کے کفر سے بہت مختلف ہے۔ ماضی میں جتنے کفر رہے، ان میں کفر کی صورتیں یہ رہیں کہ انسان اپنے سابقہ دین سے نکل کر کسی نئے دین میں داخل ہوتا تو اسے کافر کہا جاتا تھا۔

لیکن اس جدید کفر (جمہوریت) میں نہ اللہ کا صریح انکار کرایا جاتا ہے، نہ اللہ کے بھیجے نبی ﷺ کا۔ نہ ان پر نازل کی گئی کتاب کا اور نہ قیامت وآخرت کا...... یہ ایسا کفر ہے جو نہ تو نماز وروزے پر پابندی لگاتا ہے اور نہ ہی ان کے فرض ہونے کا عقیدہ رکھنے دیتا ہے...... بلکہ جمہوری ریاست میں نماز فرض کے بجائے مباح کے درجے میں ہوتی ہے جو چاہے پڑھے جو نہ چاہے نہ پڑھے...... یہ نیا دین اپنے مخاطب سے اس کے پرانے مذہب سے انکار کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ کسی مذہب کی رسومات وعبادات سے بغاوت کرائی جاتی ہے...... بلکہ انھیں ادا کرتے ہوئے اجتماعی زندگی ایک نئے دین ونظام (سیکولرزم اور جمہوریت) کے مطابق گذارنے کا پابند کیا جاتا ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے 'تکملہ فتح الملہم' میں اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مكانة السياسة في الدين:

قد اشتهر عن النصارىٰ أنهم يفرقون بين الدين والسياسة بقولهم: "دع ما لقيصر لقيصر وما لله لله"، فكان الدين لا علاقة لها بالسياسة، والسياسة لا ربط لها

بالدين، وإن هذة النظرية الباطلة قد تدرجت إلى أبشع صورًا في العصور الإخيرة باسم "العلمانية" أو "سيكولرإزم" التي أخرجت الدين من سائر شؤون الحياة حتىٰ قضت عليها بتاتًا۔

وإن هذه النظرية في الحقيقة نوع من أنواع الإشراك بالله، من حيث أنها لا تعترف للدين بسلطة في الحيوة المادية، فكأن الإلٰه ليس إلٰها إلا في العبادات والرسوم، وأما الأمور الدنيوية فلها اله أخر، والعياذ بالله"۔

"نصاریٰ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ دین اور سیاست کو الگ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: "جو کچھ بادشاہ کا ہے بادشاہ کو دے دو اور جو اللہ کا ہے وہ اللہ کو دے دو"۔ گویا دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں اور سیاست کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ باطل عقیدہ آخری ادوار میں سیکولرزم کے نام سے اپنی بدترین صورت تک جا پہنچا جس نے دین کو زندگی کے تمام شعبوں سے نکال دیا، یہاں تک کہ اسے مٹا کر رکھ دیا۔

"**یہ نظریہ در حقیقت شرک کی ایک قسم ہے** کیونکہ یہ مادی زندگی میں دین کی حاکمیت (Authority) کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ نظریہ دین کے صرف اتنے کردار کو تسلیم کرتا ہے جو انسان اپنی تنہائی یا اپنے عبادت خانے میں ادا کرتا ہے۔ **سو گویا دین صرف عبادات او رسومات کا نام ہے۔ رہے دنیاوی معاملات تو ان کے لیے کوئی اور معبود ہے۔(العیاذ باللہ)"**

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ چونکہ اس جدید کفر میں یہ صورت نہیں تھی کہ اپنے سابقہ دین کو چھڑوایا جاتا، اس لیے بہت سے لوگ اس دینِ کفر کا کفر ہی نہیں سمجھ پائے...... انھوں نے اپنے سابقہ دین پر ہوتے ہوئے ایک نئے دین کو بھی اپنی زندگی میں داخل کر لیا۔ عیسائی اس بات پر ہی خوش رہے کہ وہ اتوار کے دن گرجا چلے جاتے ہیں کیونکہ اس نئے مذہب نے ان کی اس عبادت پر پابندی نہیں لگائی تھی۔ انھیں اس کی پرواہ نہیں تھی کہ ساری اجتماعی زندگی یہود کے بنائے سیکولر نظام کے تحت گذارتے رہیں۔

اسی طرح مسلمانوں کو اس دین میں داخل کرنے کے لیے پہلے خلافت توڑی گئی، تاکہ قرآن کا نظام ان کی

زندگی سے نکل جائے اور وہ صرف انفرادی عبادات کو دین سمجھ بیٹھیں...... اس کے لیے مستشرقین اور نام نہاد ترقی پسندوں اور روشن خیالوں کے ذریعہ مسلسل محنت کی گئی...... شرعی اصطلاحات کے معنیٰ و مفہوم کو تبدیل کیا گیا...... مثلاً دین کی آزادی فقہاء کے نزدیک کچھ ہے لیکن فقہاء افرنگ و مفتیانِ قادیان نے اسے نئے معنیٰ پہنائے...... اسی طرح دار الحرب و دار الاسلام کا تصور، شریعت کی حاکمیت و موالات کا تصور، اللہ کے قانون سے فیصلہ اور غیر اللہ کے قانون سے فیصلہ...... ان سب کو وہ معنیٰ پہنائے گئے کہ فقہاء کی عبارات قدیم کتب ہی میں دب کر رہ گئیں۔

مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے مشرقی جمہوریت نے شرعی اصطلاحات کو انتہائی مکاری کے ساتھ استعمال کیا اور جہاں جمہوریت کا کفر ظاہر ہونے کا خطرہ تھا وہاں نئی اصطلاحات وضع کی گئیں۔[56]

مسلمانوں کو چند رسومات اور مخصوص عبادات کی اجازت دی گئی جبکہ ان کی اجتماعی زندگی سے نہ صرف دین کو نکال دیا گیا، بلکہ اجتماعی معاملات کے لیے جدید کفر کے بانیوں نے اس کے لیے الگ دین ایجاد کر دیا تھا جس کے مطابق زندگی گذارنا اقوامِ متحدہ کے تمام رکن ممالک کے شہریوں پر لازمی قرار دے دیا گیا۔ کفری قوانین و طرزِ زندگی کو باقاعدہ قانون و نظام کے طور پر مسلمانوں پر مسلط کیا گیا...... احساس اس وجہ سے نہیں ہو سکا کہ انھیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور حج پر جانے کی اجازت تھی، اور اسلامی نام رکھنے پر بھی پابندی نہیں لگائی گئی تھی...... کیونکہ ان کے نزدیک کفر تو اسلام سے مکمل نکل جانے کا نام تھا، کوئی نیا مذہب اختیار کر لینے کے بعد نام تبدیل کرنے کو کفر سمجھا جاتا تھا...... جبکہ جدید دور کا کفر ان سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کر رہا تھا۔

لیکن جمہوریت یا سیکولر نظام میں ذرا بھی غور کیا جائے تو واضح نظر آتا ہے کہ یہ خود ایک دین ہے۔ اس کے اپنے حلال و حرام ہیں۔ اس کے اپنے فرائض و واجبات ہیں۔ اس میں دوستی و دشمنی کا اپنا معیار ہے۔ یہی سب تو ایک دین میں ہوا کرتا ہے۔

لیکن اس کا دجل و فریب دیکھیے...... اس نے دعویٰ ہی یہ کیا کہ جمہوریت یا سیکولرزم میں کسی مذہب کی

---

[56] بندے نے اس کی تفصیل اپنی کتاب 'ادیان کی جنگ؛ دینِ اسلام یا دینِ جمہوریت' میں تحریر کی ہیں۔

پابندی یا کسی مذہب پر پابندی نہیں ہوتی، اس میں ہر مذہب آزاد ہوتا ہے...... حالانکہ غور کیا جائے تو یہ اس نظام کا دجل ہے جو پر فریب اصطلاحات کو مکاری سے استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔

کفر خواہ کسی بھی قسم کا ہو وہ خود ایک دین ہوتا ہے، اگرچہ اسے لادینیت، سیکولرزم، اباحیت، کیمونزم یا اسلامی جمہوریت ہی کا نام کیوں نہ دیا گیا ہو۔

اس بارے میں علامہ ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت جامع بات بیان فرمائی ہے:

"کفر صرف ایک سلبی چیز نہیں ہے، بلکہ ایک ایجابی اور مثبت چیز بھی ہے۔ وہ صرف دین اللہ کے انکار کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک مذہبی اور اخلاقی نظام اور مستقل دین ہے۔ جن میں اپنے فرائض و واجبات بھی ہیں اور مکروہات و محرمات بھی، اس لیے یہ دونوں دین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، اور ایک انسان ایک وقت میں ان دونوں کا وفادار نہیں ہو سکتا"۔ [57]

جمہوریت میں عام ہو جانے والے منکرات

اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خاتمے اور انسانوں کے بنائے جاہلی نظام کے نفاذ کی صورت میں انسانی معاشرہ کس طرح روز بروز خسارے کی جانب بڑھ رہا ہے، خالق کی مخلوق میں خالق کا قانون نہ نافذ ہونے کی وجہ سے معاشرے میں برائیاں کتنی تیزی سے عام ہو رہی ہیں، اس کا اندازہ معاشرے کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں ان کی تفصیل یقیناً طوالت کا باعث بنے گی، چنانچہ یہاں صرف انہی اہم منکرات کو بیان کرتے ہیں جن سے خود کو بچانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ا۔ اللہ کی آیات و قوانین کو (پارلیمنٹ) کا محتاج بنانا

مشرقی جمہوری نظام میں منکر اور کفر کی یہ عجیب و غریب قسم ہے۔ یہ کفر اس جمہوریت میں نہیں جسے مغربی، لبرل یا سیکولر جمہوریت کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ تو کھلم کھلا کفر کرتے ہیں اور شریعت بنانے میں خود کو آزاد

---

[57] دینِ حق اور علمائے ربانی؛ صفحہ ۲۶

کہتے ہیں۔ انھوں نے مذہب کو ریاست کے اجتماعی معاملات سے سرے سے ہی فارغ کر دیا ہے۔ اور نہ ہی ہندوستان جیسے کفری ملک کو کفر کی یہ نئی قسم ایجاد کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

کفر کی یہ عجیب و غریب قسم اس جمہوریت کا کارنامہ ہے جسے اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اللہ کی محکم آیات یعنی جو قوانین اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں بیان فرمائے، یا جنھیں رحمۃ للعالمین ﷺ نے بیان فرمایا، انھیں 'اسلامی جمہوریت' میں اس وقت تک قانون نہیں مانا جاسکتا جب تک کہ پہلے اسے (پارلیمنٹ) میں بیٹھے افراد کے سامنے (العیاذ باللہ) منظوری کا محتاج نہ بنادیا جائے، پھر پارلیمنٹ چاہے اسے قانون کے قابل سمجھے یا چاہے تو کہہ دے: ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ﴾ کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ جسے ہم اپنا دین بنا سکیں یا اس قرآن میں کچھ تبدیلی کے ساتھ اسی کو منظور کرلو (العیاذ باللہ)۔

سو علمائے حق سے درخواست ہے کہ اس باطل کے دجل کو ہر حال میں بیان کریں، ہم سب کو اس رب کے سامنے جا کھڑا ہونا ہے جہاں کسی کا اقتدار، کسی کی طاقت، کسی کی دھمکیاں نہیں چلا کرتیں...... اور یہ سرکاری پروٹوکول کام نہیں آیا کرتے۔

اسے کھل کر بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کے قوانین کو منظوری کے لیے پارلیمنٹ کا محتاج بنانا ایسا کفر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ یہی ہر جمہوری ریاست کا ریاستی دین ہے، یہی اس جمہوریت کی جان اور روح ہے۔

پھر بھی زعم و دعویٰ یہ کہ اس ریاست میں حاکمیتِ اعلیٰ تو اللہ ہی کی ہے، ﴿سبحان اللّٰہ عما یشرکون﴾۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا خوب فرمایا، جیسے ابھی تر و تازہ ہو:

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰي شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ [الأنعام:136]

”اور اللہ نے جو کھیتیاں اور چوپائے پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے اللہ کا بس ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ چنانچہ بزعم خود یوں کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے، اور یہ ہمارے ان معبودوں کا ہے جنھیں

ہم خدائی میں اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ پھر جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے، وہ تو (کبھی) اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے، وہ ان کے گھڑے ہوئے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے۔ ایسی بری بری باتیں ہیں جو انھوں نے طے کرر کھی ہیں"۔

جاہلیتِ جدیدہ کے بندے بھی اس جمہوری نظام میں یہی کہتے ہیں کہ حاکمیت کا حق تو اللہ کا ہے، لیکن عملاً کیا کرتے ہیں کہ اللہ کے حق کو بھی اپنے بتوں (پارلیمنٹ) کو دے دیتے ہیں کہ پارلیمنٹ اللہ کے جس حکم کے ساتھ چاہے جیسا بھی معاملہ کرے، خواہ یہ حکم رجم ہی کیوں نہ ہو جس کا منکر بالاجماع کافر ہے۔

اور جو کچھ اللہ کا حق ہے اس کا کوئی خیال ہی نہیں کرتے، یعنی جس چیز کو اللہ نے حرام کر دیا اسے حلال کرنے کا اختیار پارلیمنٹ کو دے دیتے ہیں، جیسے سود اور مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے امریکا کا ساتھ دینا۔ اس بارے میں اتنا بھی نہیں سوچتے کہ سود والوں کے ساتھ اللہ ورسول ﷺ کا اعلانِ جنگ ہو چکا ہے۔ اور مسلمانوں کے خلاف کافروں کا ساتھ دینا دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

اس کے برعکس اپنے بتوں کا پورا پورا حق محفوظ رکھتے ہیں جسے ہمیشہ اللہ کے حکم وحاکمیت پر بالادست رکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب تک پارلیمنٹ کسی قانون کو منظوری نہ دے دے تب تک وہ قانون بننے کے لائق نہیں سمجھا جائے گا۔ سو وہ آئین کا حصہ نہیں بن سکتا۔ حالانکہ اپنے بتوں کو کھلا اختیار دیا ہے کہ وہ قانون بناتے وقت اللہ کے حق کا خیال ہی نہیں کرتے۔ بس آئین میں لکھا ہوا ہے کہ حاکمیت کا حق اللہ کا ہے۔**فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا**۔

کتنا ہی برا ہے ان کا فیصلہ جو یہ مالک الملک اور عرش و کرسی کے مالک کے حق میں کر رہے ہیں۔

﴿ذٰلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ...... فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ﴾ [غافر:12و14]

"یہ اس وجہ سے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کو پکارا جاتا ہے تو تم انکار کرتے ہو اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کر لیا جائے تو مان لیتے ہو، سو حکم تو اللہ ہی کے لیے ہے جو برتر و بالا ہے......اس لیے تم

اللہ ہی کو پکارو، دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے، اگرچہ کافروں کو ناگوار لگے"۔

۲۔ اللہ کے ساتھ کفر: تشریع (شریعت بنانے) کا حق پارلیمنٹ کو دینا

جمہوری نظام کے ذریعے اللہ کے ساتھ کیا جانے والا یہ ایسا کفر ہے جس کے بغیر کوئی ریاست جمہوری نہیں کہلا سکتی۔ اس جمہوریت کے تحفظ کے لیے قومی ریاستوں کے اندر فوجیں موجود ہیں، جو ہر حال میں اس کے تحفظ کو یقینی بناتی ہیں۔ عالمی ادارے اس کی حفاظت کے ضامن ہیں۔

پاکستان میں مقتدر طبقے کی جانب سے مذہبی طبقے کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ پاکستان اسلامی ریاست ہے کیونکہ اس کا آئین اسلامی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے آئین میں لکھا ہوا کہ پاکستان کا آئین قرآن و سنت ہو گا۔

اگر فوج و خفیہ ایجنسیاں یا وہ حکمراں طبقہ جو اس اقتدار کے مزے لوٹ رہا ہے، یہ باتیں کر کے عامۃ المسلمین کو دھوکہ دیتا ہے تو بات سمجھ میں آنے والی ہے، لیکن یہ علماء کو کیا ہوا کہ جان بوجھ کر نصف صدی سے زائد اس فریب سے نکلنا نہیں چاہتے کہ پاکستان اسلامی ریاست ہے یا اس کا آئین صرف اس لیے اسلامی ہے کہ آئین کے اوراق میں ایک جملہ لکھا ہوا ہے۔

اللہ سب کے دلوں کے بھید کو اچھی طرح جانتا ہے۔ کون اللہ کے کلمات کو تبدیل کرتا ہے، کون تاویل کے ذریعہ مقتدر طبقے کے اقتدار کی حفاظت کرتا ہے، کون اس کے بدلے اپنی جان کی امان پاتا ہے اور کون اس کے بدلے اس حقیر دنیا کی گند میں کتنا منہ مار رہا ہے...... عالم الغیب سب کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔

حقیقت سب کے سامنے ہے کہ پاکستان کے جمہوری نظام میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کے ہاتھ میں ہے یا اسی مقتدر طبقے کے ہاتھ میں؟ آج ستر سال سے زائد عرصہ گذرنے کے بعد بھی اس ملک میں اللہ کی چلی یا پارلیمنٹ کی؟

حقیقت یہ ہے کہ دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی حاکمیتِ اعلیٰ مقتدر طبقے کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ پاکستان کے آئین میں باوجودیکہ یہ جملہ لکھا ہوا ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہو گا، یا قرآن و سنت ہی پاکستان کا سپریم لاء ہے...... لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت کی ہر روز پارلیمنٹ میں دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، باوجود آئین میں مذکورہ جملہ لکھا ہونے کے اصل قوت پارلیمنٹ

کے پاس ہی ہے کہ وہ جب تک قرآن کے قانون کو منظوری نہ دے وہ قانون نہیں بن سکتا۔ پاکستان بننے سے لے کر اب تک کا وقت اس پر گواہ ہے۔ گواہی کے لیے کیا یہ عرصہ کم ہے کہ یہاں حاکمیتِ اعلیٰ کس کے پاس ہے؟ اس کے مقابلے میں آپ کوئی ایک واقعہ تو ایسا بتایئے کہ اس اسلامی جمہوریت میں اللہ کے کسی قانون کو بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کا محتاج بنائے آئین کا حصہ بنا دیا گیا ہو...... یا صرف ریاست کی جانب سے یہ اعلان کر دیا گیا ہو کہ چونکہ شادی شدہ زانی و زانیہ کو سنگسار کرنا اللہ کا قانون ہے، اس لیے ریاست کا بھی یہی قانون ہے، اسے پارلیمنٹ کا محتاج بنانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح سود اللہ کے آئین میں حرام ہے، اس لیے بغیر پارلیمنٹ کا انتظار کیے آج سے سود غیر قانونی اور جرم ہے۔

لیکن ایسا نہیں ہو سکتا! کیونکہ اس سے جمہوریت کی روح تار تار ہو جائے گی، اور جمہوریت کی محافظ مقامی قوتیں (فوج) اور عالمی قوتیں امریکہ و عالمی ادارے فوراً حرکت میں آ کر ایسے صدر یا وزیرِ اعظم کا دھڑن تختہ کر دیں گے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہوریت کی روح (یعنی قانون سازی میں پارلیمنٹ کی منظوری کا اصل ہونا) ہی اس ریاست پر حاکم ہے، نہ کہ آئین کے اوراق میں کالی سیاہی سے لکھا ہوا یہ جملہ: 'قرآن و سنت ہی پاکستان کا سپریم لاء ہے'۔

اللہ کے لیے اس دھوکے سے نکل آیئے، نہ پاکستان کا آئین اسلامی ہے، اور نہ قرآن و سنت کی یہاں حاکمیت ہے۔

تنبیہ: کیا پاکستان کی ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے؟

اس باب میں مقتدر طبقے کی جانب سے یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ریاست نے تو کلمہ پڑھا ہے، یعنی ریاست عقیدتاً اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ حاکمیت و تشریع کا حق اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، خرابی صرف نفاذ یعنی عمل میں ہے۔ اور مذکورہ عقیدے کو تسلیم کرتے ہوئے عمل میں خرابی سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔

ایسا سمجھنا خود ایک فحش غلطی ہے۔ تشریع کے باب میں مذکورہ عقیدہ رکھنے کے باوجود اگر کوئی عملاً اس

اختیار (اوامر ونواہی کے اختیار) کو کسی غیر اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، یہ بھی کفر ہے۔ جیسا کہ اوپر نصاریٰ کے حوالے سے گذرا کہ انھوں نے اپنے راہبوں کو عقیدتاً معبود نہیں بنایا تھا، بلکہ ان کا یہی عمل تھا کہ حقِ تشریع راہبوں کے لیے تسلیم کر لیا تھا، اسی کو قرآن نے معبود بنانا قرار دیا... جس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرمائی۔

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ اس کی تفسیر میں بیان کیا، اسے دوبارہ پڑھیے:

الْمَسْأَلَةُ الثَّانِيَةُ: الْأَكْثَرُونَ مِنَ الْمُفَسِّرِينَ قَالُوا: لَيْسَ الْمُرَادُ مِنَ الْأَرْبَابِ أَنَّهُمُ اعْتَقَدُوا فِيهِمْ أَنَّهُمْ آلِهَةُ الْعَالَمِ، بَلِ الْمُرَادُ أَنَّهُمْ أَطَاعُوهُمْ فِي أَوَامِرِهِمْ وَنَوَاهِيهِمْ۔[58]

"اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ رب بنانے سے یہ مراد نہیں کہ انھوں نے اپنے علماء وراہبوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شروع کر دیا تھا کہ وہ عالم کے معبود ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ احکامات اور پابندیوں میں ان (راہبوں) کی اطاعت کرتے تھے"۔

جبکہ جمہوریت تو یہ عقیدہ رکھنے پر مجبور بھی کرتی ہے اور اس کے التزام کو واجب قرار دیتی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی شہری یا کوئی رکنِ پارلیمنٹ یہ بات نہیں کر سکتا کہ میں ریاست کے اس طریقہ کار (کسی بل کی منظوری کے لیے اسے پارلیمنٹ میں پیش کرنے) کو نہیں تسلیم کرتا، یہ شریعت کے خلاف ہے، اور یہ کفر ہے۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ اس کفر کی محافظ قوتیں ایسے شخص کو کیسا عبرت کا نشان بناتی ہیں۔

کسی بھی قوم کا مقتدر طبقہ (ملأ القوم) اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھوڑ کر خود ہی شارع کیوں بن بیٹھتا ہے، کیوں وہ خود ہی قانون سازی کرنے لگ جاتا ہے، اور اللہ کے اس اختیار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے؟

تاکہ اس لامحدود اختیار کے ذریعہ وہ اپنے اقتدار کی بنیادیں مستحکم کر سکے، اپنی اور اپنے طبقے کی خواہشات کا تحفظ کر سکے، اس کے ذریعہ جیسے چاہے قوانین بنائے اور اس کے ذریعہ عوام کو اپنا غلام بنائے رکھے۔ پھر اس قانون سازی کو محترم بنانے کے لیے اسے مذہب یا کسی نظریے اور عقیدے کی جانب منسوب کر دیا کرتا ہے،

---

[58] التفسير الكبير (16/ 31)

تاکہ لوگ مذہبی عقیدت کے ساتھ اس کی عبادت کرنے لگیں اور اس کے خلاف کرنے کو گناہ سمجھیں...... چنانچہ عوام ساری عمر مقتدر طبقے کی خواہشات کو پورا کرتے رہتے ہیں۔

مقتدر طبقہ یہ اختیار حاصل ہو جانے کے بعد صرف سیاسی اور معاشی قانون سازی ہی نہیں کرتا بلکہ معاشرت کو اپنے اختیارات میں جکڑنے کے لیے بھی اپنی جانب سے ہی قانون گڑھ لیا کرتا ہے...... یوں وہ ایک مکمل دین ایجاد کرلیتا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہوتی۔

مکہ میں جاہلیتِ اولیٰ کی پارلیمنٹ (دارالندوہ) یہی کام کرتی رہی، اپنے اقتدار، اپنی سیادت و قیادت اور حکمرانی کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لیے جس چیز کو چاہتے خود ہی قانونی (حلال) قرار دے دیتے، اور جسے چاہتے غیر قانونی(حرام) بنادیتے۔ پھر اس قانون سازی کو مذہبی جذبات وعقیدت سے مستحکم کرنے کے لیے اسے اپنے معبودوں کی جانب منسوب کر دیتے کہ یہ سب تو تمہارے معبودوں ہی کی طرف سے ہے۔ تاکہ کم فہم عوام اس پر اعتراض کی جرأت بھی نہ کر سکیں۔

یہاں اس مذہبی سیاسی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہر دور میں مقتدر طبقے نے قانون سازی کرنے کے بعد اسے اپنے معبودوں (خواہ وہ بتوں کی شکل میں تھے یا کسی عمارت یا ادارے کی شکل میں) کی جانب منسوب کیا۔ یہ مقتدر طبقہ اس قانون سازی کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتا۔ جدید جاہلی نظام میں حاکمیت کے کلی اختیارات کو عوام کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، جبکہ یہ اس جاہلی نظام کا سب سے بڑا دجل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام اختیارات مقتدر طبقے کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح پتھر کے بت یا گارے مٹی کی بنی عمارت کو حاکمیت کا اختیار ثابت کرکے اس کے متولی خود سب کچھ اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے تھے، یا جیسے کسی مزار کا مجاور اپنی خواہشات کو مزار میں دفن انسان کی طرف منسوب کر دیا کرتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَقَالَ الْكَلْبِيُّ: كَانَ لِآلِهَتِهِمْ سَدَنَةٌ وَخُدَّامٌ وَهُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُزَيِّنُونَ لِلْكَفَّارِ قَتْلَ

أَوْلَادِهِمْ۔[59]

"کلبی نے کہا: ان کفار کے معبودوں (یعنی صنم خانے) کے متولی اور خدام تھے جو کفار کے لیے ان کی اولاد کا قتل مزین کر دیا کرتے تھے"۔

جمہوری پارلیمنٹ کے متولیوں اور مجاوروں نے بھی آج اپنے مفادات کی خاطر انسان کے لیے خود ہی ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جس کے اپنے فرائض وواجبات (جنھیں کرنا ہر شہری کے لیے لازم ہے) ہیں، حرام وحلال (آئینی وغیر آئینی) ہیں، مستحبات ومکروہات ہیں۔

کیا یہ تغیر فی خلق اللہ (اللہ کے پیدا کردہ میں تبدیلی) نہیں؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء آیت ۱۱۹ میں فرمایا:

﴿وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا﴾ [النساء:119]

"اور میں انھیں راہِ راست سے بھٹکا کر رہوں گا، اور انھیں خوب آرزوئیں دلاؤں گا، اور انھیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے۔ اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے، اس نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا"۔

اس آیت میں ﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ [(شیطان نے کہا کہ میں انھیں حکم دوں گا) تو وہ اللہ کی خلق میں تبدیلی کریں گے] یہاں متقدمین مفسرین کے نزدیک خلق اللہ سے مراد 'دینُ اللہ' ہے یعنی وہ اللہ کے حرام کردہ کو قانونی (حلال) اور حلال کو حرام (غیر قانونی) کرنے کے ذریعہ اللہ کے دین میں تبدیلی کریں گے۔[60]

---

[59] مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير (13/ 159)

[60] دیکھیے: تفسیرِ طبری، تفسیرِ بغوی، تفسیرِ رازی، تفسیرِ نسفی وغیرہ

چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ مظہری میں فرماتے ہیں:

''گویا شیطان نے اپنے اس قول میں اس طرف اشارہ کیا کہ میرے حکم کے مطابق وہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام بنالیں گے اور جو جانور بالفعل یا بالقوۃ کامل پیدا کیا گیا ہے، اس کو ناقص بنا دیں گے''۔[61]

اس میں کوئی شک نہیں کہ تشریع کا حق اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے خاص کرنا ایسا کفر ہے جس سے بغاوت کی دعوت ہر نبی نے اپنی قوم کو دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ﴾ [النحل:36]

''اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جنھیں اللہ نے ہدایت دے دی اور کچھ ایسے تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی''۔

جمہوریت اور اکابر علماء کے بارے میں وضاحت

جمہوریت کے حق ہونے کی دلیل میں ایک بات یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر یہ جمہوریت باطل ہوتی تو بڑے بڑے بعض اکابر علماء اس میں شامل کیوں ہوتے؟

اس کے بارے میں ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ جمہوری نظام کھڑا کرنے والی قوتیں کوئی عام ذہن نہیں رکھتی تھیں، بلکہ ایسے شیطانی ذہن تھے کہ جتنا اس نظام کے دجل میں غور کرتے ہیں، اتنی ہی ان کے لیے بددعائیں نکلتی ہیں۔

یہ وہ لوگ تھے جو اسلام و شریعت اور عقائد و فقہِ اسلامی کا اچھی طرح بلکہ بہت گہرا علم رکھتے تھے۔ ابتدائی دور میں انگریزوں نے اس جمہوریت کو اسی انداز میں رائج کرنے کی کوشش کی جس طرح یہود نے اسے مغرب

[61] تفسیرِ مظہری

میں رائج کیا تھا...... لیکن چونکہ یہاں علماء تو کیا عوام بھی اس بات کو اچھی طرح جانتی تھی کہ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کے سوا کسی کے لیے مان لینا یا قانون سازی کا حق اللہ کے علاوہ کسی کو دے دینا، یہ صرف گناہ کبیرہ نہیں بلکہ کفر ہے۔ اس لیے اسلامی دنیامیں یہ پہلی کوشش ابتداء ہی میں ناکام ہوگئی۔

اس کے بعد اسلامی دنیا کے لیے جمہوریت کا یہ ترمیم شدہ ایڈیشن بھیجا گیا جس میں اسلامی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا تھا، جس کا مقصد اسے اسلام سے ہم آہنگ ثابت کرنا تھا۔

چنانچہ جن علماء نے اس میں شرکت کی، وہ اسی نیک نیتی پر مبنی تھی کہ وہ اس نظام میں شامل ہوکر ملک میں شریعت نافذ کریں گے۔ لیکن اسے قریب سے دیکھ لینے کے بعد اور جن قوتوں کے ہاتھ میں اس نظام کی ڈوریاں ہیں، ان کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد ان علماء پر واضح ہوگیا کہ یہ سوائے دھوکے کے کچھ نہیں۔

نیز ایک اور تاریخی حقیقت سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ ان اکابر علماء کے ساتھ اس وقت کی مقتدر قوتیں دن رات یہ وعدے کرتی تھیں کہ ہم اس ملک میں شریعت نافذ کریں گے، اس بنیاد پر ان علماء نے اس نظام میں شرکت کی، اب اگر مقتدر قوتیں اپنے وعدے سے مکر گئیں تو اس میں ان علماء کا کیا قصور؟

لہٰذا اہلِ علم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ جمہوریت کے حق ہونے کی دلیل میں صرف یہ کہتے پھریں کہ جمہوریت غلط ہوتی تو اکابر علماء اس میں کیوں شریک ہوتے۔

یہ غلط ہے کہ مقتدر قوتوں کے خوف کی وجہ سے آپ بغیر دلیل کے اس کفر کو اسلام ثابت کرتے پھریں اور دلیل میں اکابر علماء کا نام استعمال کریں۔ (اور کیا آپ ایسا کرسکتے ہیں؟) اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ اس نظام میں شمولیت کی وجہ سے کوئی طامع ان علماء کی ہی تکفیر کرنے لگ جائے۔ یہ معتدل رائے ہے کہ ان علماء کو عذر دیا جائے اور جمہوریت کے کفر کو مسلمانوں کے سامنے واضح کیا جائے۔

۳۔ اللہ کی غیر قانونی وحرام قرار دی ہوئی چیزوں کو قانونی و حلال بنالینا، اور اللہ کے لازم کردہ فرائض کو حرام وغیر قانونی قرار دینا

جاہلی نظام میں ایک بڑا منکر یہ رائج ہے کہ خود ہی جس چیز کو چاہتے ہیں قانونی قرار دے دیتے ہیں اور جسے

چاہتے ہیں غیر قانونی بنادیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حق تو اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیا۔

﴿وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ [الأنعام:138]

’’اور یوں کہتے ہیں کہ ان چوپایوں اور کھیتیوں پر پابندی لگی ہوئی ہے۔ ان کا زعم یہ ہے کہ انھیں سوائے ان لوگوں کے کوئی نہیں کھا سکتا جنہیں ہم کھلانا چاہیں، اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن کی پشت حرام قرار دی گئی ہے، اور کچھ چوپائے وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ جو افترا پردازی یہ لوگ کر رہے ہیں، اللہ انھیں عنقریب اس کا پورا پورا بدلہ دے گا‘‘۔

پھر افسوس کہ اس جمہوری کفری نظام کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے آخر میں وہی بات کہہ دیتے ہیں جو کفارِ مکہ دلائل سے ہار جانے کے بعد کہا کرتے تھے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَي الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [النحل:35]

’’اور جن لوگوں نے شرک اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت نہ کرتے، نہ ہم نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے (حکم کے) بغیر کوئی چیز حرام قرار دیتے۔ جو امتیں ان سے پہلے گزری ہیں، انھوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن پیغمبروں کی ذمہ داری اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ صاف صاف طریقے پر پیغام پہنچا دیں‘‘۔

۴۔ امر بالمنکر و نہی عن المعروف

اس نظام میں یہ کام ریاست کی سرپرستی میں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ توبہ میں فرماتے ہیں:

﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ [التوبة: 67]

''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ وہ برائی کی تلقین کرتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے تو اللہ نے بھی انھیں بھلا دیا۔ بلاشبہ یہ منافق بڑے نافرمان ہیں''۔

خلافتِ عثمانیہ کے ٹوٹ جانے کے نتیجے میں روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی شریعت کلی طور پر محکوم و مغلوب بنادی گئی۔ مسلم خطوں میں شریعت کا خاتمہ کرکے انگریزی، فرانسیسی اور دیگر مخلوط نظام نافذ کر دیے گئے۔

پھر جب دوسری جنگِ عظیم کے بعد (1945-1939) سامراجی قوتیں اپنے اپنے مسلم مقبوضہ علاقوں سے واپس ہونا شروع ہوئیں تو انھوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ ان کے جانے کے بعد بھی کسی مسلم ملک میں دوبارہ شریعتِ محمدیہ ﷺ کا نفاذ نہ ہو سکے۔ چنانچہ اکثر مسلم ملکوں میں جمہوری نظام نافذ کیا گیا اور اس بات کو یقینی بنالیا گیا کہ کسی مسلم ملک میں شریعت نافذ نہ کی جاسکے گی۔ اس کے لیے اقوامِ متحدہ کے چارٹر کو بطورِ نظامِ زندگی (دین) کے تمام قومی ریاستوں میں نافذ کیا گیا۔ ریاستیں اس کے نفاذ کو یقینی بنانے کی پابند قرار پائیں، اور ریاست کی محافظ قوتوں (فوج و پولیس) نے اسے اپنے ذمہ لیا۔

نتیجتاً مسلم ممالک سے اسلام کا غلبہ ختم ہوا اور جو نظام دنیا پر مسلط کیا گیا، وہ ایک ایسا طرزِ زندگی لے کر آیا جس کا لباس نیا لیکن حقیقت اتنی ہی بوسیدہ و فرسودہ تھی جتنی کہ فرعون و نمرود، سامری و شداد اور ابوجہل و ابولہب کی...... یہ طرزِ زندگی درحقیقت تاریک دور کی جاہلیتِ اولیٰ کا جدید ایڈیشن ہے...... اس کے غلبے کی صورت میں صرف یہی نہیں کہ لوگ برائیوں میں مبتلا ہوئے بلکہ برائیوں کو عام کرنے کی دعوت، اس کی جانب رغبت، اس کی حوصلہ افزائی اور منکرات کو پھیلانے کے لیے ریاستی ذرائع مہیا کیے جاتے رہے ہیں۔ منکرات کی محفلوں میں شرکت کی دعوت، ریاست کی سرپرستی میں ان کی تشہیر اور حفاظت، ریاست کی ذمہ داری قرار پائی ہے۔ سودی مراکز (بینک) ہوں یا فحاشی پھیلانے کے ذرائع (مساج سینٹر، سینما، کیبل، ٹی وی،

انٹرنیٹ کیفے، وغیرہ) یا گانے بجانے کی محفلیں... ان میں سے کسی کو بھی خطرہ لاحق ہو تو ریاست کی محافظ قوتیں ان کی حفاظت کرنے کو اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ ایسے میں کوئی ایمان والا خود اٹھ کر کسی منکر کو روکنا چاہے تو اسے لال مسجد و جامعہ حفصہ کی طرح نشانِ عبرت بنا دیا جاتا ہے۔

محمد ﷺ کی لائی شریعت سے روکنے کے لیے ریاست کے تمام ستون (مقننہ، عدلیہ، انتظامیہ اور ذرائع ابلاغ) اپنے اپنے انداز میں کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، شعائرِ اسلام (داڑھی، پردہ، حدود وغیرہ) کا مذاق اڑانا، امت کو جہاد سے روکنے کے لیے مختلف انداز میں محنت کرنا اور مدارس، علماء اور علمِ دین کی تحقیر ان کے بنیادی مشن میں شامل ہے۔

۵۔ سودی نظام کا غلبہ

سود جس کی قرآن وحدیث میں بے انتہا مذمت بیان کی گئی اور جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کہا گیا، موجودہ نظام... خواہ عالمی ہو یا قومی... وہ کھڑا ہی سودی نظام پر ہے۔ یعنی جمہوریت ہو یا آمریت، دار الحرب ہو یا دار الامن... اس وقت وہ تمام ممالک جو اقوامِ متحدہ کے رکن ہیں، ان کے سارے نظام کا محور سود ہے۔ گویا عالمی نظام نے ہر قومی ریاست کے لیے سود کو لازم کیا ہے۔ پھر ہر ریاست اپنے عوام پر مختلف قسم کے ٹیکس عائد کر کے اپنا سود ادا کرتی ہے۔ ٹیکس کی شکل میں جو رقم شہریوں سے وصول کی جارہی ہے، اس کا خاصہ حصہ عالمی مالیاتی اداروں کی سودی قسطوں کی شکل میں واپس کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ [البقرة:279]

''پھر بھی اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی سود سے باز نہ آئے) تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، اور اگر تم نے توبہ کر لی تو رأس المال تمہارا ہی ہے، (یوں نہ) تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا''۔

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة:275]

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو، یہ اس لیے ہو گا کہ انھوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے کتنے سخت الفاظ میں اس کی برائی کو بیان فرمایا:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الرِّبَا اثْنَانِ وَسَبْعُونَ بَابًا، أَدْنَاهَا مِثْلُ إِتْيَانِ الرَّجُلِ أُمَّهُ، وَأَرْبَى الرِّبَا اسْتِطَالَةُ الرَّجُلِ فِي عِرْضِ أَخِيهِ"۔[62]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سود کے بہتّر دروازے ہیں، اس کا ادنیٰ یہ ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے بد فعلی کرے، اور سب سے بڑا سود یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی عزت کے درپے ہو جائے"۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيلِ الْمَلَائِكَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "دِرْهَمٌ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زَنْيَةً"۔[63]

حضرت عبد اللہ بن حنظلہ غسیلِ ملائکہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سود کا ایک درہم جسے کوئی آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے، چھتیس زنا سے بدتر ہے"۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔[64]

---

[62] المعجم الأوسط (رقم 7151)

[63] مسند أحمد - الرسالة (36/ 288)

[64] صحيح مسلم (رقم 1598) وأحمد (رقم 14302)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔اور فرمایا: یہ سب برابر ہیں۔

عَن عَمْرو بن الْعَاصِ سَمِعت رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَقُول: مَا من قوم يظْهر فيهم الرِّبَا إِلَّا أخذُوا بِالسنةِ وَمَا من قوم يظْهر فيهم الرشا إِلَّا أخذُوا بِالرُّعْبِ۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس کسی قوم میں سود عام ہوا وہ قحط کا شکار ہو گئی، اور جس کسی قوم میں رشوت عام ہوئی وہ رعب میں مبتلا کر دی گئی''۔

سو اس موجودہ جمہوری نظام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کی بنیاد ہی سود پر رکھی گئی ہے، بلکہ اس کی گہرائی میں جانے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ اس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی انسان سود کھانے کھلانے سے بچ نہ سکے۔ چنانچہ سود میں ملوث رکھنے کا انتظام انتہائی نچلی سطح تک کیا گیا ہے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ سودی معاملات صرف انفرادی سطح پر نہیں کیے جارہے بلکہ ریاست نے سودی معاملات کو صرف مباح ہی نہیں کیا بلکہ بہت سے معاملات میں فرض (لازم) کیا ہوا ہے۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے اسے اس نظام میں رہنا ہے تو سودی معاملات میں شامل ہونا ہو گا۔

۶۔جبریہ ٹیکس

خلقِ خدا سے ٹیکس وصول کرنا ایسا بدتر گناہ ہے جسے علماء نے سود سے زیادہ بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ لیکن عالمی نظامِ کفر نے ہر ریاست (خواہ جمہوریت ہو یا آمریت) کے شہریوں پر ظالمانہ ٹیکس مسلط کیے ہوئے ہیں۔ یہ ریاستوں کے سودی لین دین ہی ہیں جسے عوام پر ٹیکس لگا کر پورا کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس میں دونوں ناپاکیاں اور ظلم جمع کر دیا گیا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: ''لَا يَدْخُلُ

صَاحِبُ مَكْسٍ الْجَنَّةَ"۔[65]

"حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ٹیکس وصول کرنے میں ظلم کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ غامدیہ رضی اللہ عنہا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله : لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له : فيه دليل على عظيم ذنب صاحب المكس۔[66]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ: اس (غامدیہ رضی اللہ عنہا) نے ایسی توبہ کی ہے، اگر ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرلے تو اس کی مغفرت کر دی جائے۔ یہ ٹیکس وصول کرنے والے کے بڑے گناہ ہونے پر دلیل ہے"۔

اور امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وكذلك حكم من يأخذ أموال الناس من المتسلطين الظلمة وآخذي الضرائب واجب على كل المسلمين قتالهم وقتلهم إذا كانوا ممتنعين وهؤلاء أعظم جرمًا من آكلي الربا لانتهاكهم حرمة النهي وحرمة المسلمين جميعًا وآكل الربا إنما انتهك حرمة الله تعالى في أخذ الربا ولم ينتهك لمن يعطيه ذلك حرمة لأنه أعطاه بطيبة نفسه وآخذوا الضرائب في معنى قطاع الطريق المنتهكين لحرمة نهي الله تعالى وحرمة المسلمين إذ كانوا يأخذونه جبرًا وقهرًا لا على تأويل ولا شبهة فجائز لمن علم من المسلمين إصرار هؤلاء على ما هم عليه من أخذ أموال الناس على وجه الضريبة أن يقتلهم كيف أمكنه قتلهم وكذلك أتباعهم وأعوانهم الذين بهم يقومون على أخذ الأموال۔[67]

"اور (جس طرح کہ سود کے کاروبار پر اصرار کرنے والوں سے اس وقت قتال کیا جائے گا جبکہ وہ امام

---

[65] المستدرك على الصحيحين للحاكم (1/ 562)

[66] إكمال المعلم شرح صحيح مسلم - للقاضي عياض (5/ 272)

[67] أحكام القرآن للجصاص؛ ج:۲، ص:۱۹۲

المسلمین کے دائرے سے باہر قوت و شوکت کا حامل گروہ ہو،) اسی طرح ان لوگوں کا حکم ہے جو لوگوں سے ظلماً جبراًمال وصول کرتے ہیں اور ٹیکس لیتے ہیں۔ جب ان کی قوت کی وجہ سے ان پر حکمِ اسلام نافذ کرنا ممکن نہ ہو تو ہر مسلمان پر ان سے قتال کرنا اور انھیں قتل کرنا واجب ہے۔ اور یہ (مذکورہ) تو سود لینے والے سے بھی زیادہ بڑے مجرم ہیں، کیونکہ یہ اللہ کے حرام کردہ حکم کو بھی پامال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی عزت بھی پامال کرتے ہیں۔ سود لینے والا تو صرف اللہ کے حرام کردہ حکم کو پامال کرتا ہے لیکن سود لینے والا سود دینے والے کی عزت پامال نہیں کرتا[68] بلکہ سود دینے والا اپنی مرضی سے سود دیتا ہے۔ اور ٹیکس لینے والے ڈاکوؤں کے حکم میں ہیں کیونکہ یہ اللہ کے حکم کی حرمت اور مسلمانوں کی حرمت پامال کرتے ہیں، کیونکہ یہ جبریہ طاقت کے زور پر مسلمانوں کے مال بغیر کسی تاویل وشبہ کے وصول کرتے ہیں۔ سو ہر اس مسلمان کے لیے ان کا قتل کرنا جائز ہے جیسے بھی ممکن ہو، جس مسلمان کو بھی یہ پتہ لگے کہ یہ ٹیکس کے طور پر زبردستی لوگوں کا مال لے رہے ہیں، اسی طرح ان ٹیکس لینے والوں کے معاونین اور ساتھی جو اس کام میں ان کے ساتھ ہوں"۔[69]

۷۔ فحاشی

اس وقت قومی ریاستوں میں (خواہ مسلم اکثریتی ہوں یا کفری) جو طرزِ زندگی رائج ہے، اس کی حقیقت کو سمجھنے والے کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ یہ مکمل نظام کھڑا ہی شہوتوں کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اس نظام کی باگ ڈور بلکہ شہ رگ جن کے ہاتھ میں ہے (کارپوریٹ، عالمی بینکرز یا ملٹی نیشنلز) ان کا مقصدِ اول یہی لگتا ہے

---

[68] وہ شاید امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور کی بات ہو، اب تو سود لینے والے بھی گھر کا سامان تک باہر نکال پھینکتے ہیں۔ راقم

[69] یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ موجودہ جمہوری نظام میں ٹیکس لگانے کا اختیار حکمرانوں کا ہے اور انھیں جو قوت حاصل ہے جس کے بل بوتے پر ٹیکس کی وصولی میں جبر ہے، وہ فوج اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ہیں۔ لہٰذا جو حکم اوپر بیان ہوا ہے، وہ ٹیکس لگانے والے ظالم حکمرانوں اور ان کے پیچھے موجود قوت 'فوج' اور 'قانون نافذ کرنے والے اداروں' پر منطبق ہو گا۔ موجودہ نظام میں ٹیکس کے ادارے اور ان کے ملازمین کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ بالاصل ان کے پاس نہ اختیار ہے اور نہ قوت، لہٰذا ایسے کسی ادارے پر حملہ کرنا یا اس کے ملازمین کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ پوری انسانیت کو فحاشی کے اس جوہڑ میں گرادیا جائے جہاں انسانیت خود انسان پر شرمسار ہوتی ہے...... یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کو دیکھ کر ابلیسیت نازاں وفرحاں ہوتی ہے۔

جبکہ اسلام کے غلبے کی صورت میں شریعت جس نزاکت کا سب سے زیادہ خیال رکھتی ہے، وہ یہی فحاشی ہے۔ اس کی حساسیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 'زنا' ایک انسان ڈھکے چھپے کرتا ہے۔ اگر گواہ نہ ہوں اور یہ خود اقرار بھی نہ کرے تو باوجود قرائن کے شریعت اس پر حد جاری نہیں کرتی، حالانکہ جرم تو ہوا ہے۔ لیکن یہی جرم اگر کھلے عام کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کی سزا انتہائی سخت ہے۔

معلوم ہوا کہ گناہ سے زیادہ اس کے عام کرنے کو شریعت سخت قرار دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ اٰمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [النور: 19]

"یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

موجودہ جمہوری ریاستوں میں چونکہ خواہشاتِ ملأ القوم (مقتدر طبقے کی خواہشات) ہی اصل ہیں، اس لیے شہوانی خواہشات کو عام کرنے کے لیے ریاست اپنے تمام تر ذرائع استعمال کرتی ہے۔ بے حیائی کی خبروں کو کتنے نئے نئے انداز میں پھیلایا جاتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ اس نظامِ جمہوریت کا ستون سمجھے جانے والے ادارے شیطانیت کا کتنا بھرپور عکس ہیں۔

فحاشی پھیلانے کی اہمیت وحساسیت اس نظام میں کس قدر ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگاسکتے ہیں کہ اگر کوئی غیور دیندار بندہ فحاشی گھر گھر پہنچانے والے کیبل کاٹنے کی کوشش کرے، یا ناچنے، گانے بجانے یا مساج سینٹر کی محفلوں کو روکنا چاہے اور اس کے لیے ایمانی غیرت کا اعلیٰ درجہ 'ہاتھ' استعمال کرے تو ریاست اسے کس طرح عبرت کا نشان بنادیتی ہے۔ ریاست کی محافظ قوتیں حرکت میں آتی ہیں اور اس کی رٹ کو چیلنج کرنے والوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا جاتا ہے۔ لال مسجد تحریک کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ ان کا قصور صرف

یہی تھا کہ وہ اس غلاظت سے معاشرے کو بچانا چاہتے تھے جو ملک کے دارالحکومت میں پھیلا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے جنھیں سن کر ہی دماغ کو جھٹکے لگتے ہیں۔ باپ بیٹی اور بہن بھائی کی تمیز ختم ہوتی جارہی تھی۔ لیکن ریاست کو اس پر غصہ نہیں آیا، غصہ آیا تو اس گندگی روکنے والے دیندار طبقے اور غیور طلبہ وطالبات پر آیا۔

دیندار قوتوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ فحاشی اس نظام میں بطورِ طرزِ زندگی (Life Style) شامل ہے۔ نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے مردوں کے راستے سے ان تمام رکاوٹوں کو ختم کر دینا جو عورت تک پہنچنے سے روکتی ہیں، اقوامِ متحدہ کے قائم کردہ عالمی نظامِ کفر کا بنیادی مقصد ہے۔ جبکہ قومی ریاستیں (نیشن اسٹیٹس) اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی پابند ہیں۔

چنانچہ کسی دینی قوت کا اللہ کے حکمِ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دینا، اور اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے حرام کام کو روکنے کے لیے قوت کا استعمال کرنا، ریاست کو کسی حال قابلِ قبول نہیں ہے۔

خلاصہ

یہ تو صرف چند برائیوں کا ذکر ہوا، ورنہ اس جمہوری معاشرے میں کیا کچھ نہیں ہو رہا۔

یہاں ایک سوال ہے کہ معاشرے میں مختلف اصلاحی تحریکوں کے ترقی کرنے کے باوجود معاشرے میں منکرات کا غلبہ کیوں بڑھتا جارہا ہے؟ یعنی ایک طرف ہم مذہبی اصلاحی قوتوں (مثلاً تبلیغی جماعت، مدارس اسلامیہ، خانقاہوں) کو دیکھتے ہیں تو الحمد للہ دل خوش ہوتا ہے کہ کس طرح اس فتنے کے دور میں ہماری یہ دینی قوتیں امت کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ اور ایسے ماحول میں جبکہ فحاشی و منکرات کو نہ صرف ریاستی بلکہ عالمی اداروں کی سرپرستی حاصل ہے، یہ دینی قوتیں بڑے بڑے شہروں میں بھی نوجوانوں کو اسلامی رنگ میں رنگ رہی ہیں؟

لیکن اس سب کے باوجود معاشرے کی مجموعی صورتِ حال پر فحاشی و منکرات ہی کا غلبہ بڑھتا جارہا ہے۔ یعنی بعض ایسی برائیاں جنھیں کل تک دینی طبقے میں 'فتنہ' سمجھا جاتا تھا، اب بہت سے دیندار خود یا ان کے بچے ان کا شکار ہوتے چلے جارہے ہیں؟

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جس نظام کا غلبہ ہو گا اسی کا طرزِ زندگی غالب رہے گا، باوجود یہ کہ نظام کے سائے میں رہتے ہوئے جزوی اصلاح کے لیے کتنی بھی کوششیں کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ خود اس حقیقت کو جانتے ہیں، اسی لیے انھوں نے دین کو پھیلانے سے پہلے کفر کا غلبہ توڑنے کا حکم دیا۔ ﴿**وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ**﴾

کہ ان شریعت کے دشمنوں سے قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

سو جب تک فتنہ یعنی غیر اللہ کا نظام موجود ہو گا اس کے ہوتے ہوئے محمد ﷺ کا نظام نافذ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے پہلے اس قوت کو توڑنے کا حکم فرمایا جو ان تمام منکرات کی سرپرستی کرتی ہے۔ آپ سود کے خلاف جتنی چاہیں مہم چلاتے رہیں، دعوت و تبلیغ کرتے رہیں، لیکن جب دوسری جانب ریاست اپنی مقتدر قوتوں کے بل بوتے پر زندگی کے ہر شعبے میں سود کو لازم قرار دے چکی اور اس سود کو ادا کرنا ریاست کے قانون میں فرض قرار دیا گیا، سو اب اس کا انکار ریاست کی رٹ کو چیلنج کرنا کہلائے گا، اس لیے مسلمان چار و ناچار اس نظام میں مجبور کر دیا گیا کہ وہ ان سودی معاملات سے گذر کر اپنی روزی کمائے۔

بعض لوگ اگر یہ خیال کرتے ہیں کہ سود پاکستان یا کسی بھی ریاست کا داخلی معاملہ ہے، سو اگر یہ چاہیں تو اس سودی نظام کو ملک سے ختم کر سکتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اس عالمی کفری نظام اور اس اقوامِ متحدہ کے چارٹر کو سمجھنے میں غلطی ہے۔ ملکی نظام کے پیچھے عالمی کفری نظام کھڑا ہے اور عالمی کفری قوتوں نے ہر ریاست کو قانونی طور پر اس کا پابند بنایا ہے۔ اس لیے بغیر جہاد کے یہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ صرف سمجھانے بجھانے سے اس نظام سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ اس کے لیے پہلے اس قوت کو توڑنا ہو گا جس نے دنیا کو اپنا غلام بنایا ہوا ہے، اور دنیا پر لازم کیا ہے کہ وہ ان سودی معاملات سے گذر کر اپنی روزی حاصل کریں۔

منکرات کی محافظ قوتیں جب تک موجود ہیں، تب تک ان منکرات کا زور ٹوٹ نہیں سکتا۔ پہلے ان کی قوت ٹوٹے گی، پھر اس کے بعد سارا کا سارا ماحول اللہ والا بن جائے گا۔ اس سے پہلے ناممکن ہے کہ کفر کا غلبہ توڑے بغیر سارا کا سارا ماحول اللہ والا بنا دیا جائے۔

خالق کی زمین پر خالق کا قانون نہ ہونے کی سزا...
اللہ کی نعمتوں سے محرومی

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾

یوں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان فرمادیا ہے:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ [إبراهيم: 7]

"اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمادیا تھا کہ اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا، اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جانو کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے"۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے ان میں اضافہ کیا جاتا ہے اور ناشکری کرنا اس کی نعمت سے محروم کردیے جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے۔ فرمایا:

﴿وَضَرَبَ اللهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللهِ فَأَذَاقَهَا اللهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ [النحل: 112]

"اور اللہ تعالیٰ نے اس بستی کی مثال بیان کی جو امن سے تھی مطمئن تھی، جس کا رزق ہر طرف سے آتا تھا (یعنی معاشی فراوانی تھی) پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر بھوک وخوف مسلط کردیا، بسبب اس کے جو وہ کرتے تھے"۔

اللہ کے ساتھ اگر کسی کو شریک بنایا جائے گا تو اللہ آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کو بھی ان کے لیے تنگ کر دیں گے۔ جس دنیا کے لیے وہ اللہ کے ساتھ کفر و شرک کرتے ہیں، اللہ اس دنیا میں ان پر بھوک و افلاس اور خوف مسلط فرما دیں گے۔

جس زمین پر اللہ کی نافرمانی جس درجے میں ہو گی، اسی درجے میں زمین اپنی پیداوار روک لے گی۔ اللہ کی سب سے بڑی نافرمانی یہ ہے کہ اس کی زمین پر سے اس کی حاکمیت کا حق ہی ختم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ کفر کرنے کو ریاست کا اجتماعی نظام بنا دیا جائے۔

سو خالق کی زمین پر خالق کے نظام سے بغاوت و سرکشی اور اپنے بنائے قوانین پر اصرار کا انجام اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ آسمان و زمین بھی غضبناک ہو جائیں۔ آسمان اپنی رحمتیں نازل کرنا چھوڑ دے اور زمین اپنی برکتیں روک لے۔

سو آج دنیا کی حالت یہی ہو چکی ہے۔

سبحان اللہ! قرآن کریم کی ایک ایک آیت آج بھی اس جدید دنیا کے لیے چیلنج ہے...... سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۵۸ ایسا لگتا ہے جیسے آج ہی تازہ تازہ اسی نظام کے بارے میں نازل ہو رہی ہو۔ فرمایا:

﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ﴾ [الأعراف: 58]

"اور جو زمین اچھی ہوتی ہے اس کی پیداوار تو اپنے رب کے حکم سے نکل آتی ہے اور جو زمین خراب ہو گئی ہو اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اسی طرح ہم نشانیوں کے مختلف رخ دکھاتے رہتے ہیں، (مگر) ان لوگوں کے لیے جو قدردانی کریں"۔

اس آیت میں فرمایا گیا کہ اچھی زمین اپنی پیداوار اپنے رب کے حکم سے نکالتی ہے اور جو زمین خراب ہو گئی اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

امام واحدی اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہما ﴿نَكِدًا﴾ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

النَّكِدُ: الْعَسِرُ الْمُمْتَنِعُ مِنْ إِعْطَاءِ الْخَيْرِ عَلَى جِهَةِ الْبُخْلِ۔

"نکد کے معنیٰ ہیں: بخل و کنجوسی کے طور پر خیر کو دینے (یعنی مال خرچ کرنے) میں دشواری ورکاوٹ"۔

آیتِ بالا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کی مثال بیان کی ہے۔

انسان کے دل کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ صقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

"جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک کالا نکتہ پڑ جاتا ہے، سو اگر وہ توبہ واستغفار کرلے اس کا دل صاف ہو جاتا ہے، اور اگر دوبارہ گناہ کرے تو یہ نکتہ بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے پورے دل پر پھیل جاتا ہے"۔ اور یہی وہ 'زنگ' ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے:

[ہر گز نہیں! بلکہ ان کے کرتوتوں کے سبب ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔]"

پھر ایک وقت وہ آتا ہے کہ پورا دل ہی اس زمین کی طرح ہو جاتا ہے جسے نمکیات نے کھالیا ہو، جو مکمل شوریدہ ہو گئی ہو۔

جس طرح اچھا دل وہ ہے جس پر اللہ کی محبت غالب ہو، ایسے دل پر تذکیر ووعظ سے رقت طاری ہو جاتی ہے، نتیجتاً اعمالِ صالحہ پھوٹنے لگتے ہیں، اسی طرح اچھی اور پاک زمین وہ ہے جس پر اللہ کا دین غالب ہو، اس پر چلنے والوں کے چوبیس گھنٹے شریعت کے احکام کے سائے میں گذرتے ہوں، عبادات میں بھی اور معاملات میں بھی...... اس کے اوپر سودی نظام نافذ نہ ہو، اس پر فحاشی وعریانی ریاست کی سرپرستی میں نہ پھیلائی جاتی ہو، ایسی زمین اپنی فطرت پر ہوتی ہے جو بارش کے برسنے سے اپنی نباتات اگل دیتی ہے۔

جبکہ جس دل پر غیر اللہ کی محبت غالب ہو گی، جس پر خواہشاتِ نفسانی کا غلبہ ہو گا وہ دل خراب ہو گا، اپنی فطرت سے ہٹا ہوا ہو گا، اسی طرح جس زمین پر کفر کا غلبہ ہو گا، وہ بھی اپنی فطرت سے ہٹی ہو گی چنانچہ بارش

بھی اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی سوائے جھاڑ جھنکاڑ اگانے کے۔

جس طرح خراب دل خیر کو قبول نہیں کرتا اور اس سے گندگی ہی پھوٹتی ہے، اسی طرح جو زمین خراب ہو جائے اس سے خیر کم اور کانٹے دار جھاڑیاں ہی نکلتی ہیں...... اگرچہ اس پر بارش بھی برستی رہے۔

سو ذرا سوچیے کہ اس زمین سے زیادہ خراب کون سی زمین ہو گی جس پر کفر کا غلبہ ہو، جس زمین پر اللہ کے ساتھ کھلا کفر کیا جاتا ہو، کفری نظام اس پر نافذ ہو...... انسانوں کے فیصلے قرآن کے علاوہ سے کیے جاتے ہوں...... اللہ کا کلمہ مغلوب ہو...... ایسی زمین کیا پیداوار اگا سکتی ہے؟

کسی زمین کا کھاری یا شوریدہ ہونا جبکہ اس پر اللہ کی شریعت کی حاکمیت ہو بدرجہا بہتر ہے، اس زمین سے جس پر محمد ﷺ کی شریعت کے بجائے جمہوریت کی حاکمیت ہو۔

زمین کا اچھی پیداوار اگانا...... اور اپنی پیداوار کو روک لینا اس کا اصل تعلق اللہ کی اطاعت و نافرمانی کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کی سب سے بڑی نافرمانی کفر ہے، سو جس زمین پر کفر اور کفری قوانین نافذ ہوں گے اس زمین کی حالت زنا و شراب سے بھری زمین سے بھی بدتر ہو گی۔

چنانچہ اس مضمون کو قرآن کئی جگہ پر بیان کرتا ہے کہ جس زمین پر اللہ کی نافرمانی ہو گی، اس سے برکتیں اٹھالی جائیں گی۔

آج ہر طرح کی زرعی ایجادات کے باوجود دنیا بھر کی زراعت کی جو حالت ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اول تو پیداوار نکلتی ہی انتہائی تھکن کے بعد ہے۔ بیج کی محتاجی، اس کے بعد نت نئی دوائیاں، اسپرے پر اسپرے، ڈیزل و بجلی کی گرانی، پھر کہیں جا کر نکلی تو ایسی کہ غذائیت سے خالی، جو فائدہ کم اور نقصان زیادہ دے رہی ہے...... اب تو خود ہی سائنسدان اعلان کرنے لگے کہ جدید دوائیوں اور اسپرے سے تیار پیداوار انسانی جسم کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

پھلوں کی دکانوں پر پھلوں کی شکل کی کوئی چیز تو موجود ہے لیکن ان میں ذائقہ نہیں، غذائیت نہیں، جب غذائیت ہی نہیں تو یہ رزق کیسے بنے گا، اسی لیے تو حاکمِ مطلق نے فرمایا: ﴿لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا﴾ اسے نبات ہی نہیں کہا...... 'ردی' جو فائدے سے خالی ہے۔

اللہ کی نازل کردہ شریعت کو نہ مان کر انسان نے ہر دور میں نقصان اٹھایا ہے۔ ہر طرح کا نقصان اخروی بھی اور دنیاوی بھی...... خسارہ ہی خسارہ ہے...... ان کے لیے بھی جن کے پاس سب کچھ ہو اور ان کے لیے بھی جو پہلے ہی سے بدحال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے:

﴿ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَعْمٰى ﴾ [طه: 124]

''اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اسے بڑی تنگ زندگی ملے گی، اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے''۔

اللہ کی نازل کردہ شریعت سے بغاوت کر کے اپنی معیشت پر ناز کرنے والی قوتوں کا انجام کیا ہوا...... وہی خسارہ...... معیشت کا بھی اور ابدی زندگی کا بھی...... مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے کے لیے اور افغانستان میں اللہ کی زمین سے اللہ کا قانون ختم کرنے کے لیے عالمِ کفر کا ساتھ اس لیے دیا تھا کہ معیشت کی حالت بہتر ہو جائے گی...... یہ کتنا بڑا دھوکہ تھا کہ اللہ کے ساتھ کفر کر کے، اللہ کی شریعت کے خلاف جنگ میں شرکت کر کے اور مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے اپنی فوج پیش کر کے اللہ کا جو غضب نازل ہو گا اس سے معیشت کی حالت سدھرنے کے بجائے پہلے سے بھی ابتر ہو جائے گی۔ لیکن یقین کون کرے؟! جن کے دلوں میں یہ قرآن اترا ہو، جو امریکی حکم کے مقابلے اللہ کے حکم کو کوئی اہمیت دیتے ہوں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے جنگ کرنے کے نتیجے میں ترقی کی راہوں پر دوڑتی معیشتیں بھی اللہ نے ایسی تباہ کیں کہ ان بستیوں میں بھی کبھی کوئی جا کر آباد ہونے کی ہمت نہیں کر سکا۔

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِينَ﴾ [القصص: 58]

''اور کتنی ہی بستیاں وہ ہیں جو اپنی معیشت پر اتراتی تھیں ہم نے انھیں تباہ کر ڈالا، اب وہ ان کی رہائش گاہیں تمہارے سامنے ہیں جو ان کے بعد تھوڑے عرصے کو چھوڑ کر کبھی آباد ہی نہ ہو سکیں، اور ہم ہی تھے جو ان کے وارث بنے''۔

ہر طرح کے عیش و آرام میں رہنے والی اقوام نے جب اللہ کی نازل کردہ شریعت کو ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ نے اپنی نعمتوں سے انھیں محروم کر دیا۔

محرومی سے محرومی ہے...... مشرق کا تو کہنا ہی کیا...... خود مغرب کی محرومی قابلِ عبرت ہے۔ اگرچہ دجل کے میڈیا نے اس کا ظاہر ہی دنیا کو دکھایا ہوا ہے...... لیکن حقیقت کہیں زیادہ تاریک ہے۔ رزق کے نام پر جو کچھ وہ کھا رہے ہیں اس میں غذائیت کے سوا سب کچھ ہے...... طرح طرح کے پھل لیکن لذت سے خالی...... خالص مصنوعی بیج، مصنوعی کھاد اور بے شمار زہریلے اسپرے سے تیار ہونے والی گندم جس قوم کے لیے اگائی جاتی ہو...... اور پھر اس کا بھی آخری کچرہ جس کا رزق بنتا ہو...... جنھیں کوئی خالص اور فطری غذا میسر نہ ہو رہی ہو...... یہ بھی محرومی کی ایک قسم ہے، اللہ جیسے چاہے اپنی نعمتوں سے محروم فرمادے، کہ چیز کے ہوتے ہوئے بھی اس کے کھانے سے محروم کر دیئے گئے...... کیوں؟

عالمِ عرب میں اس کی بہترین مثال مصر کی موجود ہے۔ دریائے نیل کے کنارے کی زمینیں کسی دور میں دنیا کی بہترین کپاس اگایا کرتی تھیں...... لیکن مصر کے مقتدر طبقے نے اللہ کی شریعت کے ساتھ جنگ کی...... انھوں نے سوچا کہ اس دور میں رزق اللہ نہیں، امریکہ و اسرائیل دیتا ہے۔ سو بندروں اور خنزیروں کی اولاد کی رضا کی خاطر مصر کا حکمراں طبقہ اللہ کی شریعت کے ساتھ کھلی جنگ کرتا رہا۔ سو مزید رزق کیا ملتا، جو خزانے اللہ نے زمین میں رکھے بھی تھے وہ بھی اللہ کے حکم سے زمین نے روک لیے، آج وہی دریائے نیل ہے اور وہی اس کی زمینیں ہیں لیکن ذرا مصر کی زراعت کی حالتِ زار کا مطالعہ کیجیے اور اپنے رب سے توبہ و استغفار کیجیے کہ جدید ٹیکنالوجی کے دور میں بھی رزق کا مالک وہی تنِ تنہا ہے۔ باقی شیطان اور اس کے حواری جھوٹے وعدے کے سوا کچھ نہیں دے سکتے۔

کیا برصغیر کے لوگ اس حقیقت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کر رہے۔ جو زمینیں اسلامی دور میں سونا اگلتی تھیں آج کیا ہوا کہ ان کا کسان آئے روز خودکشی کرنے پر مجبور ہے؟ دنیا کا بہترین غلہ اگانے والا خطہ آج خود غلے کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، کبھی چینی کا رونا تو کبھی گندم پر واویلا، کبھی چاول کی قلت تو کبھی کچھ اور۔

بر صغیر میں دولت کی ایسی فراوانی تھی کہ انگریز لوٹ کر لے گئے تو یورپ میں صنعتی انقلاب آگیا...... مسلمانوں کی دولت لوٹ کر مغرب کے چور روڈا کو دنیا کی قیادت کرنے لگے۔ [70]

تمام عالمِ اسلام کا یہی حال ہے، باوجود یکہ اللہ نے ہر قسم کے وسائل انھیں عطا کیے تھے تاکہ وہ انھیں کام میں لاکر دنیا کی قیادت کریں، جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ان پر عائد کی اسے پورا کریں، کافروں کی غلامی کرنے کے بجائے کافروں پر حکمرانی کے اصول اختیار کریں۔

لیکن جب انھوں نے اپنے اوپر اللہ کی شریعت کے بجائے اقوامِ متحدہ کے منظور کردہ دین (چارٹر) کو غالب کر لیا، تو اللہ نے ان تمام وسائل کے ہوتے ہوئے بھی انھیں عالمی سود خوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا...... کیا ابھی بھی سمجھ میں یہ حقیقت نہیں آئی کہ سعودی عرب جیسا ملک کیوں معاشی بد حالی کا شکار ہو رہا ہے، کفری طاقتوں کا باجگزار بنا ہوا ہے؟

جس امت کے پاس دنیا کی عمدہ زرخیز زمینیں ہوں، قیمتی بحری گذر گاہیں، نہرِ سویز، وسط ایشیا میں ہر قسم کے معدنی ذخائر...... لیکن اس سب کے باجود بھی کفری طاقتوں کی غلامی، باجگزاری کہ سودی قرضوں میں اپنی عوام کو ایسا جکڑا کہ نسلیں تک غلام بنادی گئیں، یہ سب آخر کیوں؟

اللہ کی شریعت سے جنگ کرکے خود مغربی دنیا کون سی خوشحال ہے جن کا نعرہ ہی دنیا کو خوشحال بنانا تھا۔ اب تو ساری لیپا پوتی اور معاشی اعداد و شمار کے گورکھ دھندوں کو جہادی ضربوں نے اتار کر سارا پول کھول دیا ہے کہ یہ آشیانہ کیسی شاخِ نازک پر بنایا گیا تھا۔

یہ سزا ہے اللہ کی نازل کردہ شریعت سے بغاوت کی۔ چنانچہ اللہ کی زمین غضبناک ہو کر اپنی برکتیں و خزانے روک بیٹھی...... جدید زرعی ٹیکنالوجی کے ہوتے ہوئے کوئی طاقت اس سے اس کے خزانے اس وقت تک نہیں اگلوا سکتی جب تک کہ اس پر دوبارہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی لائی شریعت نافذ نہ کر دی جائے۔

اللہ کا قرآن مختلف طاقتور و خوشحال قوموں کی مثالیں بیان کر رہا ہے جنھوں نے اللہ کی نازل کردہ شریعت

---

[70] اسلامی بر صغیر کی معاشی خوشحالی کی تفصیل کے لئے دیکھیے: "نقشِ حیات" از مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

سے دشمنی کی، تاکہ موجودہ دور کے شریعت کے دشمن ابھی بھی عبرت پکڑ کر باز آجائیں اور شریعت یا شہادت کے نعرے کو تسلیم کرلیں۔

اللہ تعالیٰ نے قومِ سبا کی ترقی وخوشحالی کو بیان فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ﴾ [سبأ: 15]

"حقیقت یہ ہے کہ قوم سبا کے لیے خود اس جگہ ایک نشانی موجود تھی جہاں وہ رہا کرتے تھے۔ دائیں اور بائیں دونوں طرف باغوں کے دو سلسلے تھے۔ اپنے پروردگار کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجا لاؤ، ایک تو شہر بہترین، دوسرا پروردگار بخشنے والا"۔

﴿فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ﴾ [سبأ:16]

"پھر بھی انھوں نے (ہدایت سے) منہ موڑ لیا، اس لیے ہم نے ان پر بند والا سیلاب چھوڑ دیا، اور ان کے دونوں طرف کے باغوں کو ایسے دو باغوں میں تبدیل کردیا جو بدمزہ پھلوں، جھاؤ کے درختوں اور تھوڑی سی بیریوں پر مشتمل تھے"۔

﴿ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ﴾ [سبأ:17]

"یہ سزا ہم نے انھیں اس لیے دی کہ انھوں نے ناشکری کی روش اختیار کی تھی، اور ایسی سزا ہم کسی اور کو نہیں، بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیا کرتے ہیں"۔

﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ﴾ [سبأ:18]

"اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، ایسی بستیاں بسا رکھی تھیں جو دور سے نظر آتی تھیں، اور ان میں سفر کو نپے تلے مرحلوں میں بانٹ دیا تھا (اور کہا تھا

کہ) ان (بستیوں) کے درمیان راتیں ہوں یا دن، امن وامان کے ساتھ سفر کرو"۔

اللہ کے نازل کیے طرزِ زندگی (دین) کو چھوڑ کر انسان خسارے سے بچ ہی نہیں سکتا۔ ہر طرح کی خیر سے محروم کر دیا جائے گا۔ جو نعمتیں اسے پہلے حاصل بھی تھیں، وہ بھی چھین لی جائیں گی۔

اللہ نے یہود کو ان کی بغاوت کی پاداش میں کتنی نعمتوں سے محروم فرمایا:

﴿فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللهِ كَثِيرًا﴾ [النسآء : 160]

"غرض یہودیوں کی سنگین زیادتی کی وجہ سے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال کی گئی تھیں۔ اور اس لیے کہ وہ بکثرت لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے"۔

سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی تفصیل بیان فرمائی:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ﴾ [الأنعام:146]

"اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا، اور گائے اور بکری کے اجزاء میں سے ان کی چربیاں ہم نے حرام کی تھیں، البتہ جو چربی ان کی پشت پر یا آنتوں پر لگی ہو، یا جو کسی ہڈی سے ملی ہوئی ہو وہ مستثنیٰ تھی۔ یہ ہم نے انھیں ان کی سرکشی کی سزا دی تھی۔ اور پورا یقین رکھو کہ ہم سچے ہیں"۔

مغربی جاہلی تہذیب کو نظامِ زندگی کے طور پر اختیار کر لینے والوں کے لیے ان آیات میں بڑی عبرت ہے کہ آج اللہ نے انھیں اپنی کتنی ہی فطری نعمتوں سے محروم کر دیا ہے۔ یورپ و امریکہ کی معاشرت کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کی سرکشی اور اللہ کی شریعت سے جنگ کے سبب اللہ نے ہر قسم کی نعمت سے انھیں محروم کیا ہے۔

تازہ پھلوں اور میوہ جات، خالص دودھ، گھی، مکھن اور دیگر اللہ کی نعمتوں سے جدید جاہلی معاشرہ محروم

ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ خالص گندم اور پینے کے پانی سے بھی کہ اللہ کے عطا کیے تازہ پانی سے محروم ہو کر بوتلوں میں بند پانی پیتے ہیں۔ خالص گندم چھوڑ کر میدہ کھاتے ہیں جو اصل میں معدے کی غذا نہیں بلکہ خود معدے کو کھا جانے والا ہے۔

غرض جو جتنا اس تہذیب میں ڈوبا ہوا ہے، اتنا ہی اللہ کی نعمتوں سے محروم ہے۔

مذکورہ آیت میں یہود کو جن چیزوں کے کھانے سے روک دیا گیا وہ سب عمدہ، لذیذ اور صحت کے لیے انتہائی مفید چیزیں ہیں۔ ہر پنجوں والے پرندے......

ذرا سوچیے...... تیتر، بٹیر، کبوتر، کاجیں، مرغ، مور، اسی طرح ہرن، نیل گائے وغیرہ۔ ان چیزوں سے روک کر انھیں اونٹ، شتر مرغ اور بطخ کی اجازت دی گئی، آپ طب کی کتابوں میں ان کے مستقل کھانے سے پیدا ہونے والے مسائل کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

جبکہ گائے اور بکری کی چربی ان کے لیے حرام کر دی گئی اور جس چربی کی اجازت دی گئی وہ جانور کی چربی میں اچھی نہیں سمجھی جاتی۔ مثلاً آنتوں کے ساتھ لگی چربی حلق پر جا کر جم جاتی ہے، اس لیے اس چربی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

اللہ کی نعمتوں سے محرومی کے مختلف انداز

خالقِ ارض و سماء جب کسی قوم سے ناراض ہو جائے تو وہ جیسے چاہتا ہے اس قوم کو نعمتوں سے محروم کر دیا کرتا ہے...... کبھی تشریعی طور پر یعنی ان کے دین میں اسے حرام کر دیتا ہے، اور کبھی تکوینی طور پر جس کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں۔ کبھی خود وہی لوگ اسے اپنے لیے حرام کر لیتے ہیں، ان کی عقلیں ماردی جاتی ہیں اور انھیں اس میں اپنا کوئی نقصان (طبی یا معاشی) نظر آنے لگتا ہے۔ یہ ان کے جرائم کے سبب ہوتا ہے جو وہ اللہ کے حق میں کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر 'انوار البیان' میں مولنا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''پھر فرمایا ﴿ذٰلِکَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ﴾ کہ [ہم نے انھیں یہ سزا ان کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے

دی]۔ ﴿وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ [اور بلاشبہ ہم سچے ہیں]۔

یہ مضمون سورۂ نساء میں بھی گزر چکا ہے، وہاں ارشاد ہے: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ [سو ہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ان پر حرام کردیں پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرنا اور گناہ کرکے اپنی جانوں پر ظلم کرنا پاکیزہ چیزوں سے محرومی کا سبب ہے۔ یہودیوں پر تو تشریعی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کردی تھیں لیکن خاتم النّبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نبوت ختم ہوجانے کی وجہ سے اب تشریعی طور پر کوئی حلال چیز حرام نہیں ہوسکتی۔ لعدم احتمال النسخ۔ البتہ تکوینی طور پر طیبات سے محرومی ہوسکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے، جس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کے اسباب مختلف بن جاتے ہیں"۔

اسی طرح امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ نساء کی آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ:

ثم المنع لهم يكون من وجهين:

أحدهما: منع من جهة منع الإنزال؛ لقلة الأمطار والقحط؛ كسني يوسف - عليه السلام - وسني مكة، على ما كان لهم من القحط.

والثاني: منع من جهة الخلق: ألا يعطوا شيئًا، لا بيعًا ولا شراء ولا معروفًا۔[71]

"(نعمتوں سے) روکا جانا کبھی بارش کے نہ ہونے اور قحط کے سبب ہوتا ہے، جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے دور کا قحط اور اہلِ مکہ پر قحط۔

دوسرا مخلوق کی جانب سے روک دینے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ وہ کچھ نہیں دیتے؛ نہ بیچنے کے لیے، نہ خریدنے کے لیے اور نہ ہی احسان کے طور پر"۔

اسی طرح امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

عوقب القوم بظلم ظلموه وبَغْيٍ بَغَوْه، حرمت عليهم أشياء ببغيهم وبظلمهم۔[72]

[71] تفسير الماتريدي 'تأويلات أهل السنة' (3/ 414)

[72] تفسير الطبري (9/ 391)

"قوم کو ان کے کسی ظلم اور ان کی سر کشی کی وجہ سے سزا دی گئی۔ ان کی سر کشی و ظلم کی وجہ سے مختلف چیزیں ان پر حرام کر دی گئیں"۔

اسی طرح امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ خِيَرَةَ -وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ-قَالَ: جَزَاءُ الْمَعْصِيَةِ الْوَهْنُ فِي الْعِبَادَةِ، وَالضِّيقُ فِي الْمَعِيشَةِ، وَالتَّعَسُّرُ فِي اللَّذَّةِ. قِيلَ: وَمَا التَّعَسُّرُ فِي اللَّذَّةِ؟ قَالَ: لَا يُصَادِفُ لَذَّةً حَلَالًا إِلَّا جَاءَهُ مَنْ يُنَغِّصه إِيَّاهَا۔[73]

"حضرت ابن خِیرہ ...جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے... فرماتے ہیں: گناہوں کا بدلہ یہی ہوتا ہے کہ عبادتوں میں سستی آجائے، روزگار میں تنگی واقع ہو، لذتوں میں سختی آجائے یعنی جہاں کسی راحت کا منہ دیکھا فوراً کوئی زحمت آپڑی اور مزہ مٹی ہو گیا"۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ۔[74]

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انسان اس گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے جسے وہ کر بیٹھتا ہے، اور تقدیر کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے، اور نیکی عمر میں زیادتی کرتی ہے"۔

ربِ کائنات نے اعلان جو کر دیا: ﴿ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾...... میرے رب کے کلام کا ایک ایک حرف آج بھی تر و تازہ ہے۔

انسانیت کی تباہی کا ذمہ دار کون؟

یہ جرم اس طبقے کا ہے جو عالمی سودی نظام کے ذریعہ جمہوری و غیر جمہوری نظام چلا رہا ہے، اور اللہ کے

---

[73] تفسير ابن كثير ت سلامة (6/ 508)

[74] رواه أحمد في المسند (80/5) وابن ماجة في السنن برقم (90) من حديث ثوبان رضي الله عنه، وحسنه العراقي كما في الزوائد للبوصيري (61/1)

بندوں کو اس کفری ظالمانہ نظام کا بندہ بنائے ہوئے ہے...... عالمی بینکار، کثیر القومی کمپنیاں، ابلیس کو اپنا خدا ماننے والے...... دو فیصد خواہش پرست مقتدر طبقہ کہ خواہش ہی ان کا دین، ان کا ایمان اور ان کا معبود ٹھہرا...... جنھوں نے ساری انسانیت کو سودی شکنجے میں جکڑا ہوا ہے اور اللہ کی شریعت کے مقابلے جمہوریت کے ذریعہ اپنا وضع کردہ نظام دنیا پر مسلط کیا ہے۔ اس عالمی کفری نظام کی حفاظت کے لیے اقوامِ متحدہ کے تحت قائم کیے گئے ممالک میں مقامی کرائے کی پیشہ ور فوجیں بنائی ہیں...... جن کا اعلیٰ طبقہ اپنے اپنے ملکوں میں اس سودی نظام کی حفاظت کا پابند ہے...... خواہ حکومت کسی کی بھی ہو لیکن نظام یہی باقی رہے گا۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یورپ وامریکہ پر قابض مقتدر قوتوں نے وہاں کی عوام کے ساتھ وہی کیا جو فرعون نے اپنی قوم کے ساتھ کیا تھا۔

﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فٰسِقِينَ﴾ [الزخرف: 54]

''اس طرح اس (فرعون) نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا اور انھوں نے اس کا کہنا مان لیا، حقیقت یہ ہے کہ وہ گناہگار لوگ تھے''۔

چنانچہ ان مقتدر قوتوں نے عوام کو، عوام کی حاکمیت کے نام پر کولھو کا ایسا بیل بنایا کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ، انقلابِ فرانس وامریکہ کو آج صدیاں گذر گئیں، لیکن عوام کی حالت کولھو کے بیل ہی کی رہی۔ ان کی آخرت تو تباہ کی ہے، دنیا میں بھی اس عوام کو عالمی سودخوروں کی مزدوری وچاکری کے سوا کچھ نہ ملا۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی طبقے کے بارے میں فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ [إبراهيم: 28]

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت کے شکر کو ناشکری میں بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کی جگہ جا اتارا جہنم میں جہاں یہ پہنچ جائیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے''۔

مغرب میں اپنے پنجے جمانے کے بعد عالمی سودخوروں نے عالمِ اسلام کے خلاف اپنی سازشوں کا آغاز کیا۔ خلافتِ عثمانیہ کو توڑا...... امتِ مسلمہ کو خلافت کی لڑی سے نکال کر قومیتوں میں تقسیم کیا اور ان پر اپنے غلام

حکمران و جرنیل مسلط کر دیئے، جو خود محمد ﷺ کی لائی شریعت کے دشمن ثابت ہوئے۔

جنھوں نے ظاہراً مسلمانوں جیسے نام رکھے لیکن ان کے دل دشمنانِ اسلام کے ساتھ...... ملک و قوم سے غداری اور کافروں سے وفاداری...... محمد ﷺ کی لائی شریعت سے بے زاری اور مغرب سے درآمد نظام سے وارفتگی۔ یہ ایسا طبقہ تھا جس نے اپنی عوام کو کنگال کر کے اپنی اور عالمی مالیاتی اداروں کی تجوریاں بھر کے رکھ دیں، اپنے بچوں کا مستقبل سنوارنے کے لیے قوم کا مستقبل تاریک کر گئے۔

انسانیت کی نجات کا راستہ: خالق کی مخلوق میں اسی خالق کے قانون کا نفاذ

اس کی واپسی کا صرف ایک ہی راستہ ہے...... وہ راستہ جس پر چل کر انسانیت ہر دور میں کامیاب رہی...... یہ ایسا راستہ ہے کہ درماندہ و پسماندہ اقوام بھی اگر اس راستے پر آئیں تو دنیا کی امام و پیشوا بن بیٹھیں...... عرب و عجم، شرق و غرب کے بادشاہوں کی بادشاہتیں ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں تلے روندی گئیں...... دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں ان کے قدموں میں جھک گئیں۔

جس راستے پر چل کر انسان نے اپنے خالق کو پہچانا...... خود کو پہچانا...... زندگی کے مقصد کو پہچانا...... انسانی معاشرہ اعلیٰ اخلاقیات کے زیور سے آراستہ ہوا۔

جہاں امن و سکون، عزت و احترام، شرم و حیاء، عہد و وفا، ایثار و قربانی اور رشتوں کا تقدس...... سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

تاریخِ انسانیت گواہ ہے کہ انسان کو یہ سب ایک ہی صورت میں حاصل ہو سکا...... یعنی اللہ کی نازل کردہ کتاب کو نظامِ زندگی تسلیم کر کے...... رحمۃ للعالمین ﷺ کی لائی شریعت کو بطورِ نظام و طرزِ زندگی اپنے ملکوں میں نافذ کر کے...... امامِ انسانیت ﷺ کے طرزِ زندگی کو اسوہ بنا کر۔

دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اسے خسارے سے بچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اس دنیا کو اللہ کے نازل کیے نظام کے مطابق چلایا جائے...... کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام جہانوں کو پالنے والی ذات ہے، اس نے انسانیت کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنے رسول بھیجے، سب سے آخر میں محمد ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا،

جو شریعت آپ ﷺ کو دے کر بھیجی گئی وہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام دنیا کے لیے رحمت ہے۔

خالقِ کائنات سے بہتر، انسان کے نفع و نقصان کو کون جان سکتا ہے؟ جس نے انسان کو پیدا کیا، جس نے اسے ماں کے پیٹ میں تین پردوں میں زندگی عطا فرمائی اور کمزوری سے قوت عطا کی۔ چنانچہ اس نے جو طرزِ زندگی (دین) رحمۃ للعالمین ﷺ کو دے کر بھیجا یہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ کافروں حتیٰ کہ چرند و پرند اور نباتات کے لیے بھی رحمت ہی رحمت ہے۔

چنانچہ اللہ کے قانونِ فطرت سے بغاوت کر کے، اس کے نازل کردہ طرزِ زندگی کو چھوڑ کر، حکمراں طبقے کے ایجاد کردہ طرزِ زندگی کو دنیا میں نافذ کیا جائے گا تو اس کا انجام عمومی تباہی اور عظیم خسارے کی صورت میں دنیا کو دیکھنا ہو گا۔

انسانیت کو اس وقت تک مکمل خسارے سے نہیں بچایا جاسکتا جب تک کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ طرزِ زندگی غالب نہ کر دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے نظام کے طور پر انسان کے لیے پسند فرمایا۔

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة: 3]

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل فرما دیا، اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی"۔

انسانیت کو اس خسارے سے نکالنے کی ذمہ داری کس کی ہے؟

انسانیت کو اس عظیم خسارے سے وہی بچاسکتے ہیں جو اس دعوت کے حامل ہیں جو رحمۃ للعالمین ﷺ لے کر آئے، نبی کریم ﷺ کے بعد جو اس دعوت کے امین ہیں۔

سو سورۂ عصر کی یہ آیت ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ اہلِ ایمان کو جھنجوڑ رہی ہے کہ اے وہ امت جسے ایک عظیم مقصد کے لیے اس دنیا میں بھیجا گیا تھا، جسے انسانیت کی قیادت و امامت کے منصب پر فائض کیا گیا، جنھیں دنیا کو باطل نظاموں کی تاریکیوں سے نکال کر محمد ﷺ کے لائے نظام میں داخل کرنے کی ذمہ

داری دی گئی، جنھیں افضل امت اس لیے بنایا تھا کہ انسانیت کو شرک و بت پرستی اور مختلف معبودوں کی عبادت سے نکال کر اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت میں داخل کریں گے، انھیں دنیا و آخرت کے خسارے سے نکال کر فوز مبین یعنی کھلی کامیابی کے راستے پر لے کر آئیں گے خواہ ان کی نجات کے لیے تمھیں اپنی جانوں کی بازی لگانی پڑے، اپنی زندگی کو جنگوں کی گھن گرج اور تلواروں کی چمک کے سائے میں گذارنا پڑے...... اپنی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیمی کے داغ دینا پڑیں...... تم اس کے لیے قتال بھی کروگے، انسانیت کی ہدایت اور کامیابی و فلاح کا تمھارے اندر ایسا جذبہ ہو گا کہ تم اس کے لیے جان سے بھی گذر جاؤگے...... اسی صورت میں تم خیر امت بن سکتے ہو...... جب اپنی ذات، اپنا سکون، اپنا وجود دوسروں کی فلاح و نجات کے لیے قربان کرنے والے بن جاؤ...... اسی صورت میں تو خَیْرُ النَّاسِ لِلنَّاسِ یعنی لوگوں کے لیے سب سے اچھے بن سکتے ہو...... یہاں تک کہ تم انھیں زنجیروں مین جکڑ بھی لاؤ اور یہ لانا ان کی ابدی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بن جائے۔

آیت کا یہ حصہ ہندوستان کے داعیانِ دین کو جھنجوڑ رہا ہے کہ اے بت کدۂ ہند میں توحید کی شمعیں جلانے والو! اس جدید دور میں بھی تمھارے ساتھ ایسی قوم رہتی ہے جو آج بھی پتھروں کو معبود مانتی ہے، اپنے ہاتھوں سے تراشے اور تراش کر بازاروں میں بیچے ہوؤں کو اپنا الہ و معبود بنالیتی ہے، انھیں بت پرستی کے اندھیروں سے نکال کر توحید کے اجالوں سے آشنا کرانے کی ذمہ داری کس کی ہے؟...... انھیں جہنم سے بچانے اور ہدایت کے راستے پر لانے کے لیے تمھیں ہی فکر کرنی ہو گی...... دعوت کے راستے میں رکاوٹ ائمۃ الکفر کو راستے سے ہٹانا ہو گا، تاکہ باقی لوگوں کے لیے ہدایت کے راستے کھل جائیں اور تمھارا ان سے جہاد کرنا ان کے لیے رحمت کا سبب بن جائے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ دو فیصد برہمنوں نے کروڑوں اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت سے روک کر بتوں کی عبادت پر لگایا ہوا ہے۔

اہلِ ایمان کو جھنجوڑنے اور انھیں ان کے فرض منصبی یاد دلانے کے لیے کیا یہ آیت کافی نہیں؟ کیا آج امت کا سنجیدہ طبقہ انسانیت کی حالت سے باخبر نہیں۔

پہلے تو یورپ ہی کو روتے تھے، اب تو یہ سیلاب اپنے گھروں کے اندر داخل ہو چکا ہے...... کیا اب بھی ہم

خوابِ غفلت میں پڑے، راحت و آرام کے متلاشی، اپنی جان بچانے کے لیے بقائے باہمی کے گھسے پٹے نظریے ہی سے چمٹے رہیں گے؟

ذرا اس چھوٹی سی سورت کی چھوٹی سی آیت کو دل کے کانوں سے سنیے، انسانیت کا درد رکھنے والوں کو یہ دعوتِ عمل دے رہی ہے۔

﴿وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ زمانے کی قسم! اس جدید زمانے میں بھی انسانیت خسارے میں جارہی ہے...... تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے بلکہ فوج در فوج اس تباہی کا شکار ہو رہی ہے...... جبکہ تمہیں تو اسے خسارے سے بچانے کے لیے بھیجا گیا......اے مسجدوں کو آباد کرنے والو! سنو ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾...... اے منبر و محراب کے وارثو! ذرا اس چار دیواری سے نکل کر دیکھو ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾...... جبکہ تمہیں تو انبیاء کا وارث بنایا گیا...... اس دین کا حامل بنایا گیا جو کامل و مکمل نظامِ زندگی ہے۔ اور اس پر لوگوں کو لانے کی ذمہ داری تمہارے ہی کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾ [آل عمران:110]

''تم بہترین لوگ ہو جنھیں لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہے، تم نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان لاتے ہو''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ قَالَ خَيْرَ النَّاسِ لِلنَّاسِ تَأْتُونَ بِهِمْ فِي السَّلَاسِلِ فِي أَعْنَاقِهِمْ حَتَّى يَدْخُلُوا فِي الْإِسْلَامِ۔[75]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لوگوں کے لیے سب سے بہترین تم ہو، تم انھیں ان کی گردنوں میں بیڑیاں ڈال کر لاتے ہو یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں''۔

[75] صحیح البخاري (14/ 28)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں بیان فرمایا:

عن ابن عباس في الآية أن المعنى تأمرونهم أن يشهدوا أن لا إله إلا الله ويقرّوا بما أنزل الله تعالى وتقاتلونهم عليهم ولا إله إلا الله هو أعظم المعروف وتنهونهم عن المنكر والمنكر هو التكذيب وهو أنكر المنكر۔[76]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا: ''تم لوگوں کو یہ امر کرتے ہو کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے (اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل کیا اس کا اقرار کریں، اور تم اس کے لیے ان سے قتال کرتے ہو۔ اور لا الٰہ الا اللہ سب سے بڑا معروف ہے۔ اور تم انھیں منکر سے روکتے ہو، اور منکر اللہ کا انکار ہے جو کہ سب بڑا منکر ہے''۔

یعنی تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے کافروں سے جہاد کرتے ہو۔ یہاں امر بالمعروف کا اعلیٰ درجہ یعنی اسلام کی طرف دعوت اور جو شریعت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اس کا اقرار کرنا ہے۔

اور نہی عن المنکر یعنی بد ترین منکر کفر سے تم روکتے ہو...... جیسا کہ امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر فرمائی...... پھر تم ان پر غالب آجاتے ہو اور انھیں گرفتار کر کے لے آتے ہو، یہ گرفتاری ان کے لیے رحمت بن جاتی ہے اور تمہارے قریب رہ کر وہ اسلام کا اصل چہرہ دیکھ لیتے ہیں، اس طرح وہ اسلام اپنی خوشی سے قبول کر لیتے ہیں، اور انھیں دنیاوی و اخروی دونوں کامیابیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اعلیٰ درجہ یعنی قتال فی سبیل اللہ کرنے کی وجہ سے یہ امت افضل امت قرار پائی، کہ یہ انسانیت کی کامرانی و فلاح کا ضامن ہے۔ چرند و پرند اور نباتات و جمادات کی بقا کا ذریعہ ہے...... یہ کائنات کے نظام کی بقا کا ضامن ہے...... یہ الارض کو فساد سے پاک کر کے اسے اس کی اصل فطرت پر قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔

قرآن نے ایک آیت کے حصے میں اسے یوں بیان فرمایا:

---

[76] روح المعاني (2/ 244)

﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِينَ﴾ [البقرة: 251]

”اور اگر اللہ کی بعض کو بعض کے ذریعہ ختم کرنے کی سنت نہ ہوتی تو زمین فساد زدہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے“۔

سو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں پر اس طرح فضل فرمایا کہ رحمۃ للعالمین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو قتال کا حکم دے کر بھیجا تاکہ ان قوتوں سے قتال کیا جائے جو رحمت والے نظام کو نافذ ہونے سے روکتی ہیں، ان کا خاتمہ کرکے سارا کا سارا نظام اللہ کا بھیجا ہوا نافذ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ [الأنفال:39]

”اور (مسلمانو!) ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔ پھر اگر یہ باز آجائیں تو ان کے اعمال کو اللہ خوب دیکھ رہا ہے“۔

کیونکہ اللہ کی نازل کردہ شریعت پاک ہے اور غیر اسلامی نظام ناپاک۔ سو پاک و ناپاک ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے...... اس لیے پہلے اسلام کے علاوہ ہر نظام کو ختم کرنے کا حکم فرمایا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جہاد کے ذریعہ اسلام اول تو یہی چاہتا ہے کہ کافر کلمہ پڑھ کر پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لائے طرزِ زندگی کو دین کے طور پر اختیار کرلیں۔ لیکن اگر وہ کلمہ پڑھنے پر راضی نہیں ہوتے لیکن جزیہ دینے پر راضی ہیں تو اب انھیں کلمہ پڑھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان سے جزیہ لینا قبول کرلیا جائے گا (اگر وہ ان کافروں میں سے ہیں جن سے جزیہ لینا جائز ہے)۔ جزیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے پرانے دین پر باقی رہیں گے لیکن ان کے ملک میں محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی لائی شریعت نافذ ہوگی اور یہ جزیہ ادا کیا کریں گے، اس کے بدلے اسلامی حکومت ان کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنائے گی۔ لیکن اگر وہ جزیہ پر بھی تیار نہ ہوں تو پھر ان سے جنگ کی جائے گی یہاں تک کہ مذکورہ باتوں

میں سے وہ کسی پر راضی ہو جائیں۔

یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ان کے کفر پر باقی رہنے کی اجازت دے رہا ہے (اگرچہ حقیقتاً یہ کفر پر باقی رہنے کی اجازت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اسلام کے نظام کو قریب سے دیکھ لینے کے بعد یہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے، چنانچہ انھیں اسلام کی طرف لانے کے لیے یہ انتظام کیا گیا ہے)، جبکہ وہ جزیہ دے کر اپنے ملک میں شریعت کے نفاذ کے لیے تیار ہوں، لیکن اس کی ہرگز اجازت نہیں دے رہا کہ وہ اپنے ملک میں نفاذِ شریعت پر راضی نہ ہوں۔

معلوم ہوا کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ کافروں پر بھی محمد ﷺ کی لائی شریعت ہی بطورِ قانون بالادست رہے، کیونکہ اسلام بلند اور غالب ہونے کے لیے آیا ہے، الإسلام يعلو ولا يعلىٰ۔ اسلام کو غالب کرنے کے بعد ہی منکرات کو ہر سطح پر روکنا ممکن ہو گا، انفرادی سطح پر تذکیر و وعظ کے ذریعہ بھی اور جو اس سے نہ مانے اسے شریعت کی قوتِ حاکمہ کے ذریعہ روکا جائے۔ ان دروازوں کو بند کر دیا جائے جہاں سے منکرات پھیلائے جاتے ہیں۔ اور پھر معاشرے کی اصلاح کے لیے وعظ و نصیحت، دعوت و تبلیغ اور درس و تذکیر کا سہارا لیا جائے۔ یوں انسان اپنی فطرت پر واپس آنا شروع ہوتا ہے اور اس کی طبیعت فساد سے پاک ہو کر اللہ کے رنگ میں رنگنی شروع ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منکرات کو ختم کرنے کے لیے قوت کے استعمال کی اجازت دی، گندگی سے بھرے ماحول کو صاف کرنے کے لیے جہاد کو فرض فرمایا تاکہ اس کے ذریعہ کفر کے غلبے کو ختم کر کے اسلام کو غالب کر دیا جائے۔ کیونکہ معاشرے کو برائیوں سے بچانے کے لیے ضروری ہے ان اسباب کو پہلے ختم کیا جائے جو ان کے پھیلنے کا سبب بن رہے ہیں، اس ماحول کو تبدیل کیا جائے جو ماحول خود برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ جہاں ہر طرف برائیوں کی دعوت ایسی دعوت کہ لپک لپک کر شرفاء کے دامن کو بھی اپنی جانب کھینچنے کی کوشش کر رہی ہے...... اس حقیقت کو سمجھنے میں کسی عقلمند کو مشکل نہیں کہ اگر کسی ماحول میں کوئی برائی عام ہو چکی ہو، تو وہاں کوئی کتنے صالح شخص ایسے ہوں گے جو اپنے نفس سے مطمئن ہو کر اس ماحول میں بے فکر بیٹھے رہیں۔ مثلاً ہمارے اس دور میں سود عام ہے۔ ریاست کے ذریعہ مسلمانوں پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی

شکل میں سود ادا کریں۔ چنانچہ ایسے سودی ماحول میں کوئی شخص نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو کس طرح اس سود میں مبتلا ہونے سے بچا سکتا ہے؟ اسی طرح گانے بجانے اور موسیقی کا حال ہے۔

معاشرے میں موجود غالب ماحول پورے معاشرے کو جلد یا بدیر بالآخر اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ اگر ہر جگہ زبانی دعوت و تبلیغ سے معاشرے کی اصلاح ہو جایا کرتی تو اللہ اپنے انبیاء کو گناہوں سے بھرے ماحول سے ہجرت و جہاد کا حکم نہ دیا کرتے۔

چنانچہ اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کے نفاذ کی اہمیت کو یہ آیت بتارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو یہ دین دے کر بھیجنے کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ [الصف: 9]

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی بری لگے''۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ اسلام کافرِ اصلی کو کلمہ پڑھنے پر مجبور نہیں کرتا لیکن اس پر شریعت کے نظام کو لازم کرتا ہے۔ ان ملأ القوم (مقتدر طبقے) کی گردنیں اڑانے کا حکم دیتا ہے جو معاشرے میں ظلم و زیادتی، بے شرمی و بے حیائی اور بد دیانتی و ناانصافی کے ماحول کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔

شریعت کے نفاذ کے لیے یہ جنگ کرنے کا حکم تو ان کافروں کے بارے میں ہے جو کہ ابھی اسلام بھی نہیں لائے، سو آپ ان حکمرانوں کے بارے میں شریعت کے حکم کا اندازہ لگایئے جو خود کو مسلمان کہتے ہیں، زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں، لیکن اللہ کی نازل کردہ شریعت کے دشمن ہیں، اس کے نفاذ کو قوت سے روکتے ہیں، بلکہ اس کا مطالبہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں۔ پھر یہی نہیں کہ اس جنگ کو مباح سمجھتے ہیں بلکہ اسے جہاد کہتے ہیں...... مسلمانوں کے قتل کرنے، ان کی سرزمینوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کافروں کی مدد کرنا، انھیں اپنی زمین، اپنی فوج، اپنے اڈے فراہم کرنا، ان کی پارلیمنٹ کے نزدیک مباح قرار دیا گیا ہے۔

جن کا نظامِ حکومت کفر کا سرچشمہ ہے، جس میں اللہ کے ساتھ ایک کفر نہیں بلکہ کفر در کفر ہے۔ جن کی

عدالتوں کا مرجع وہ قرآن نہیں جسے محمد ﷺ کو دے کر بھیجا گیا بلکہ وہ ہے جسے جمہوریت کی دیوی پسند کرلے...... جن کی معاشیات واقتصادیات کی روح اور بنیاد سود پر قائم ہے جسے ان کی پارلیمنٹ نے حلال (قانونی) قرار دیا ہے...... یہ محمد ﷺ کی لائی شریعت کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

زمانہ تقاضا کر رہا ہے کہ انسانیت کو کفر وشرک کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی تجلیات سے منور کر دیا جائے...... جاہلی نظاموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینک کر اللہ کے نازل کردہ نظام کو غالب کر دیا جائے، دنیا کی قیادت شیطانی ٹولے سے چھین کر اللہ کی کتاب کے حاملین کے سپرد کر دی جائے...... اس ظالمانہ سودی نظام اور ان ملک وملت کے غداروں سے نہ صرف مسلمانوں کو نجات دلائی جائے بلکہ کافروں کو بھی عظیم خسارے سے بچاکر انھیں ابدی کامیابی کی طرف لایا جائے۔ یہ ہر مسلمان سے قرآن کا تقاضا ہے...... وقت کا تقاضا ہے......اس دین کا تقاضا ہے۔

اللہ کو دل میں اتار کر، اعمالِ صالحہ سے اپنے کردار کو سنوار کر، پورے کے پورے قرآن کی دعوت لے کر اٹھنا اور پھر اسی کی تبلیغ اور اسی پر ثابت قدمی...... دنیا پھر سے آپ کی منتظر ہے...... انسانیت کسی نجات دہندہ کی راہ تک رہی ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، امانت کا، دیانت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

سارے نظام ناکام ہو چکے...... ہر طرزِ حکومت وطرزِ زندگی کا دجل آشکارا ہو چکا...... سب ملمع سازی اور دجل وفریب کے سوا کچھ نہیں۔

بس امتِ توحید ہی ہے جو انسانیت کی ڈولتی اس کشتی کو اس منجدھار سے نکال سکتی ہے...... ظلم وجبر کے اس سودی نظام میں آبلہ پائی کرتی اس دنیا کو امن وانصاف والے نظام میں داخل کر کے سکون پہنچا سکتی ہے...... کیونکہ تمہارے علاوہ کوئی اس نظام کا حامل نہیں جو اللہ کا نازل کردہ ہو، رحمت والا ہو، طبقاتی تفریق اور لسانی و قومی تعصبات سے پاک ہو...... جو انسان کو صرف مفادات پر نہ تولتا ہو۔

یہ درست ہے کہ انسانیت کو عالمی بھیڑیوں نے اپنے نرغے میں لیا ہوا ہے، وہ کسی طرح اسے چھوڑنا نہیں

چاہتے، کہ ان کے جبڑوں کو انسانی خون لگ چکا ہے...... اسی لیے ہر اس مسلمان سے انھوں نے اعلانِ جنگ کیا ہے جو ان کے نظام کو للکار رہا ہے...... جو اللہ کے نازل کردہ نظام کی دعوت دے رہا ہے...... جو انسانیت کو دنیا و آخرت کے خسارے سے بچانا چاہتا ہے۔

بین الاقوامی ساہوکار، عالمی سود خور اور انسانیت کو شیطان کا غلام بنانے والے کہاں یہ برداشت کریں گے کہ کوئی اور آکر انسانوں کو بچا کر لے جائے...... اسی کے لیے تو دنیا بھر میں دہشت گردی کے نام پر جنگ چھیڑی گئی ہے...... اسی شیطانی مشن کی خاطر تو دنیا بھر میں نئے نئے اتحادی، کوئی فرنٹ لائن تو کوئی خفیہ، بنائے گئے ہیں...... اپنا آخری زور تک اس ہاری جنگ کو جیتنے کے لیے دنیا بھر میں لگایا جارہا ہے...... سو اس راستے میں کچھ تکالیف تو آئیں گی...... کچھ مشکلات کا سامنا تو کرنا ہوگا...... لیکن اگر سامنے عظیم مقصد ہو کہ انسان کو انسان بنانا...... اسے اس کے رب کی پہچان کرانا...... اسے مقتدر قوتوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرنا...... پوری انسانیت کو عظیم خسارے سے بچانا ہے...... اور اللہ کی ذات پر کامل ایمان...... اعمالِ صالحہ سے کردار کی پختگی...... اور وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کا منہج۔

اس میں اگر جان ہارنی پڑے تو پھر بھی بازی جیت گئے...... اگر تکالیف اٹھانی پڑیں، جیل، کال کوٹھریاں، پھانسی کے پھندے...... زمانے کی قسم! خیر الناس للناس...... لوگوں میں بہترین لوگ...... سب سے شریف وکریم، سب سے مخلص ووفادار وہی تو ہے جو صرف اپنے بھائی یا اپنی قوم وقبیلے یا وطن کے لیے جنگ نہیں کرتا بلکہ اس لیے کرتا ہے جو نعرہ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لگایا کرتے تھے...... لنخرج العباد من عبادة العباد إلى عبادة رب العباد کہ ہم اس لیے قتال کرتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے رب کی غلامی میں داخل کر دیں...... آج صحابہ رضی اللہ عنہم کے جانشینوں نے اسی عظیم مشن کے لیے دنیا بھر کی دشمنی مول لی ہے...... اسی کی خاطر مشقتیں، تکلیفیں، ہجرتیں اور دربدریاں...... صرف اس غم میں کہ یہ امت سو فیصد اللہ کی کتاب پر عمل کرکے سو فیصد کامیاب ہو جائے...... یہ کافروں سے لڑ جھگڑ کر...... انھیں جہنم میں گرنے سے روک رہے ہیں...... حالانکہ ائمۃ الکفر انھیں مار رہے ہیں...... ان پر بم برسا رہے ہیں...... ان سے عالمی جنگ چھیڑے ہوئے ہیں...... لیکن کیسے شریف ہیں، کیسے شفیق ہیں، خیر الناس

للناس...... انھیں اسی بات کا غم ہے کہ انسانیت خسارے سے بچ جائے...... دینِ اسلام میں داخل ہو کر ابدی خسارے سے نجات پا جائے...... یہ انھیں اسلام کی طرف بلاتے ہیں اور کفر سے روکتے ہیں...... یہ انھیں جہنم کی آگ سے روک کر اللہ کی ابدی جنت کی نعمتوں کی طرف کھینچ کر لاتے ہیں...... اپنی جان کی بازی لگا کر۔

انہی جیسے دیوانوں کے بارے میں تو اعلان ہوا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اعلیٰ درجہ یعنی قتال بھی کرنا پڑے تو قتال بھی کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وتقاتلونہم علیہ۔

یہی کامیاب لوگوں کی پہچان ہے...... یہی اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنے والے ہیں جو کافروں کی ہدایت کے لیے بھی اپنی جانیں قربان کر جاتے ہیں...... اللہ کی مخلوق کو فساد سے بچا کر فطرت پر واپس لوٹانے کے لیے دنیا بھر میں جانیں لٹاتے پھرتے ہیں...... صحرا صحرا، وادی وادی، دشت و جبل اور بحر و بر...... ہر طرف انہی کے لہو نے رونق سجائی ہے...... یہی دیوانے ہیں جو سر دھڑ کی بازی لگا کر ظلم و جبر کے اس نظام کو ڈھانے لگے ہیں۔

ورنہ جب سے مسلمانوں میں یہ قربانی کا جذبہ ختم ہوا تو دنیا سے شریعت کی بالادستی بھی ختم ہو گئی، اور پھر خلافتِ عثمانیہ کو توڑ دیا گیا۔ تب سے عالمِ اسلام پر تاریکیوں نے ایسے ڈیرے ڈالے تھے کہ کچھ سجھائی ہی کہاں دیتا تھا کون اپنا ہے، کون پرایا؟...... کون دوست ہے، کون دشمن؟...... کون قاتل ہے، کون منصف؟...... کون رہزن ہے، کون رہبر......؟

لیکن الحمد للہ چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) کا خاتمہ اور پندرہویں صدی ہجری کا سورج طلوع ہوا تو سر زمینِ خراسان سے اللہ نے قومِ افغان کو اپنا دین بچانے، اسے مضبوط کرنے اور اللہ کی کتاب کو اللہ کی سر زمین پر نافذ کرنے کے لیے منتخب فرمایا۔ اور غیور قوم کی غیرت مند سر زمین کو اسلامی تحریکات کے لیے ایک گہوارا بنا دیا۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اجتماعی طور پر کہیں جہاد کے لیے کھڑے ہوئے

اور دیکھتے ہی دیکھتے قربانیوں کی ایک ایسی تاریخ رقم کی جس نے تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا...... قومِ افغان نے جس طرح سوویت یونین کے مقابلے قربانیاں دیں، یہ تاریخِ اسلام کا ایسا سنہری باب ہے جو اہلِ قلم پر قرض ہے جسے دنیا کے سامنے لانا ان پر فرض ہے...... داستانیں ہیں...... قندھار وہلمند کی داستانیں...... کڑیل جوانوں، سفید ریش بزرگوں اور کمسن مجاہدوں کی بہادری کی داستانیں...... ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی ایسی قربانیاں جو اب پشتو ادب کا حصہ بن چکیں۔

اس حقیقت سے کوئی دیانت دار انکار نہیں کر سکتا کہ سرزمینِ افغان پر گرنے والے شہیدوں کے لہو نے وطن اور قومیت کی لکیروں میں بکھرے مسلمانوں کے دلوں میں امت محمدیہ ﷺ کا حصہ ہونے کا احساس زندہ کیا...... یہ اس قوم کی قربانیاں ہی تھیں جس نے لٹی پٹی اور حیران و سرگرداں امت کو تمام مسائل کے حل کا ایک واضح راستہ دکھایا...... سوشلزم و جمہوریت کی بھول بلیوں میں راہِ حق تلاش کرتی امت کو منزل کی جانب صراطِ مستقیم دکھایا...... امتِ مسلمہ کو جہاد پر ابھارا...... انھیں کمزوری کے باوجود طاقتور دشمن سے ٹکرانے کا حوصلہ عطا کیا...... اللہ کی اس سنت کو سمجھایا کہ اللہ کمزوروں ہی کے ذریعہ طاقتوروں کو شکست کی ذلت سے دوچار کیا کرتا ہے...... اللہ کے قرآن کو مساجد و مدارس کے ساتھ ساتھ ایوانوں، عدالتوں اور معاملات میں نافذ کیا...... پھر ایک اور ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ [میں تمہارا بڑا رب ہوں] کے دعویدار امریکہ کو اسی کے قلب میں 9/11 کی مبارک کارروائیوں کے ذریعہ رسوا کیا...... اور اس کے بعد اس کی ساری عزت کو افغانستان کے پہاڑوں اور صحراؤں میں دفن کرنے کا انتظام کیا۔

اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے تواصوا بالحق کی راہ پر چلتے ہوئے اپنی زندگیاں جھونک دینے والوں کی تاریخ تو ایسی اُجلی ہے کہ انہی کے دم سے اس تاریک دنیا میں اجالا باقی ہے۔ یہ ہر دور میں اپنے خونِ جگر سے ایسے وقت میں چراغ جلاتے رہے جب کہ منہ زور طوفانوں کے سامنے کوئی ٹھہرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا...... چراغ سے چراغ جلتے رہے...... آسمان گواہ ہے کہ آندھی و طوفان اور اندھیری کالی گھٹاؤں کے باوجود ان چراغوں کے اجالے ہر دور میں تاریکیوں پر غالب رہے اور راہ نوردوں کو راہِ منزل دکھاتے رہے...... انہی دیوانوں کے نقشِ قدم پر چل کر تو قافلے منزل پر پہنچتے رہے...... اور الحمد للہ آج پہنچ رہے ہیں۔

یہ عملی تفسیر ہیں رحمۃ للعالمین ﷺ کے اس فرمانِ مبارک کی:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَأَهُمْ حَتَّى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ۔[77]

"میری امت کی ایک جماعت حق کے لیے قتال کرتی رہے گی، جو ان کی مخالفت کرے گا یہ اس پر غالب رہیں گے، یہاں تک کہ ان کے آخر والے دجال سے قتال کریں گے"۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لایبالون من خالفهم۔

"اس بات سے بے نیاز ہو کر کہ کون ان کے حق کے راستے کی مخالفت کر رہا ہے"۔

آیئے! ان کے ساتھ شامل ہو کر انسانیت کو عظیم خسارے سے بچا لیجیے...... مسلمانوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کیجیے...... اللہ کی زمین پر اللہ کی شریعت کے نفاذ کی خاطر......ان دیوانوں کا ساتھ دیجیے...... خواہ کسی بھی درجے میں ہو......جان سے، مال سے، زبان سے حتیٰ کہ دعاؤں سے ہی کیوں نہ ہو۔

کیونکہ ہر گذرتی سانس کے ساتھ وقت ہاتھوں سے پگھلا جارہا ہے......سرمایہ ہاتھ سے چھوٹا جارہا ہے...... ہر گذرتا لمحہ یا تو نفع میں یا نقصان میں...... پھر وہ دن قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے جس دن نفع و نقصان دکھا دیا جائے گا...... اعلان کر دیا جائے گا...... کس کی تجارت کامیاب رہی...... کس کا سرمایہ نفع بخش رہا......اور کون خسارے میں گیا۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو خسارے سے بچا کر کامیاب لوگوں میں شامل فرمائے اور اس امت کو عزت و عظمت عطا فرمائے، آمین۔

وصل الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

---

[77] رواه الحاكم وقال هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاه

یہ سورت...... مسلمانوں کے اندر ایمان و یقین کی شمعیں جلاتی ہے، انھیں علم کے نور سے منور کر کے ہمہ وقت عمل کے لیے متحرک کرتی ہے، کمزور وناتواں مسلمانوں میں جذبۂ عمل پیدا کرتی ہے۔

یہ سورت...... کمزوروں کو جہدِ مسلسل اور کچھ کر گذر جانے پر ابھار رہی ہے کہ تم ہی ہو جو ذلت کی پستیوں میں پڑی انسانیت کو عزت وعظمت کی راہ پر ڈال سکتے ہو...... تباہی وبربادی کے دہانے پر کھڑی دنیا کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتے ہو...... یہ تم ہی ہو جو انسان کو شیطان کی سجائی شکار گاہ سے بچا کر رحمٰن کی جنتوں کی طرف لے جا سکتے ہو۔

یہ سورت...... امتِ مسلمہ کو وتواصوا بالحق (ایک دوسرے کو حق کی تلقین) وتواصوا بالصبر (ایک دوسرے کو ثابت قدمی کی تلقین) کی یاد دہانی کرا کے مستقبل میں انسانیت کی قیادت اور انسانی معاشرے کو اپنے رنگ میں رنگنے کا راز بتا رہی ہے۔

اس کے ایک ایک لفظ کو دل کی آنکھوں سے پڑھیے...... اس میں کیسا یقین واعتماد بھرا ہے کہ کمزوری وضعف کے باوجود یہ اپنے مقابل تمام تہذیبوں اور ثقافتوں کو چیلنج کر رہی ہے کہ بظاہر کامیاب وکامران نظر آنے والی تہذیبیں سب خسارے اور فکری بانجھ پن کا شکار ہیں...... جبکہ یہ دعوت...... اسلامی نظام کی دعوت...... جسے یہ امت لے کر اٹھی ہے، جسے محمد ﷺ کے متوالے لے کر اٹھے ہیں، واحد کامیابی کی ضمانت ہے...... اس کے علاوہ کامیابی ونجات کا کوئی راستہ نہیں...... کوئی معاشرہ، کوئی قوم اور کوئی بھی تہذیب اس سے ہٹ کر کامیاب نہیں ہو سکتی...... اس کے مقدر میں خسارہ ہی خسارہ ہے...... اس کا ہر پل، ہر لمحہ، ہر گھڑی خسارے کا شکار ہے، اس کی زندگی کساد بازاری کا شکار ہونے والی ہے۔